سیرت و کردار، اخلاق و تہذیب اور تاریخ و ادب پر مشتمل مقالات کا حسین انتخاب

مؤلف
مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ

مترجم
مولانا خالد محمود صاحب
مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

سیرت و کردار، اخلاق و تہذیب اور تاریخ و ادب پر مشتمل مقالات کا حسین انتخاب

مؤلف

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ

مترجم

مولانا خالد محمود صاحب

مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

دار القلم

لاہور۔ پاکستان

0333-4248644

کتاب : انوارات

مصنف : مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

مترجم : مولانا خالد محمود صاحب (مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور)

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر : دار القلم ۳۹۳ علی بلاک اعوان ٹاؤن ملتان روڈ لاہور

﴿ ملنے کے پتے ﴾

دار القلم ۳۹۳۔علی بلاک اعوان ٹاؤن ملتان روڈ لاہور ☆ مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور ☆ مکی دار الکتب ۳۲۔ میکلیگن روڈ۔ایچ کے پی بی سنٹر چوک اے جی آفس لاہور ☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔انارکلی لاہور ☆ مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی ☆ مکتبہ مجددیہ اردو بازار لاہور ☆ مکتبۃ الحسن اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور

﴿ عرض مترجم ﴾

اللہ تعالیٰ کا بے حد بے عد شکر ہے کہ اس ذات نے بندہ ناچیز کو مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمتہ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''مختارات میں ادب العربی'' کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت بخشی۔ مؤلف موصوفؒ نے اپنی زندگی تعمیر انسانیت اور امت کی تربیت وتہذیب میں صرف کردی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرماتے ہوئے ہمیں ان کی بیش بہا تہذیبی وتربیتی تصانیف وتآلیف سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے خیال مین احقر کو ان کی مذکورہ کتاب مستطاب کو اردو کا پیراہن پہنچانے کی جو توفیق ملی ہے بلکہ اب تک جن عربی کتب کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے پیچھے حضرت ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی وہ دُعا ہے جو انہوں نے ایک خط کے ایک جواب میں بندہ کو دی تھی جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''وفقک اللّٰہ تعالیٰ ''یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو دینی خدمات انجام دینے کی توفیق دے۔ احقر کیلئے ان کی یہ دُعا سرمایہ افتخار اور باعث ترقی دین ودنیا ہے۔ مؤلف مرحوم نے اپنی یہ کتاب مختلف ادبی اور تاریخی شہہ پاروں سے منتخب فرمائی ہے جس سے ایک حسین اور دلچسپ ادبی، تاریخی اور تہذیبی مجموعہ منظرِ عام پر آیا۔

نیز اللہ جل شانہ ہمارے برادرِ محترم مولانا ممتاز شاہ صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی تحریک سے بندہ کو مذکورہ کتاب کا ترجمہ کرنے کی سعادت ملی۔

یاد رہے کہ احقر مترجم نے ''مختارات'' کا ترجمہ کرنے میں طالب علم کی ذہنی استعداد اور ضرورت کو مدِ نظر رکھا ہے۔ اس لئے احقر نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں عموماً سلاست کے ساتھ اس کو بامحاورہ کرنے کا اہتمام رکھا ہے، اور کوشش کی ہے کہ طالب علم کو ہر لفظ کا

حقیقی معنی معلوم ہوتا جائے۔ بحمد اللہ یہ ترجمہ گزشتہ سال ۲۰۰۴ء ماہِ اگست میں مکمل ہو چکا تھا اور احقر نے محترم شاہ صاحب مدظلہ کے سپرد کر دیا تھا مگر طباعت کے سلسلہ میں کچھ امور حائل اور حارج بنتے رہے، اس لئے اس کی طباعت میں کافی تاخیر ہوئی۔ اب الحمد اللہ شاہ صاحب مدظلہ کی ہمت اوکوشش سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بندہء ناچیز کو ''مختارات من ادب العربی'' کا پہلا اردو ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بارگاہ رب العزت مین عاجزانہ درخواست ہے کہ بندہ کی اس کتاب کو بھی قبولیت سے نوازے اور لکھنے والے، پڑھنے والے اور چھاپنے والے سب کو خوب سے خوب جزائے خیر اور عطائے جزیل سے نواز دے۔ (آمین)

طالب دعا

ابوالحسنان خالد محمود

☆ فاضل ومدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

☆ نائب الرئیس لجنۃ المصنفین لاہور

۱۲/۰۵/۲۰۰۵

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمٰن کے خاص بندے

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ

حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا
مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ
يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ۙ ﴿۷۵﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ
لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

[سورة الفرقان]

''وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے بنائے (اور یہ سب کچھ جو دلائل ونعم مذکور ہوئے) اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بے شک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (یہ تو ان کی حالت طاعات بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا

اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے، اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا مگر جو (شرک ومعاصی سے) توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے، اور ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنا دے۔ ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین وطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے، آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے۔ سو تم (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہوگا''۔

﴿سیدنا موسیٰ علیہ السلام﴾

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ
لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ
هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ
نٰصِحُوْنَ ۝١٢ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣ ع
وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ
عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ
فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ
عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ
فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٦ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝١٧ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا
يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ
مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٨ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ

بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا
فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ
رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ
یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾
فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾
وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ
السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ
النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۫۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ
قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا
شَیْخٌ كَبِیْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ
اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ
عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ
لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ
خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ

أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

[سورۃ القصص]

طٰسٓمٓ ۔ یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں ہم آپکو موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو ایمان رکھتے ہیں، فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے کہ) ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔ (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنیوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دین میں) پیشوا بنادیں اور دنیا میں ان کو ملک کا مالک بنادیں، اور مالک ہونے کے ساتھ ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان بنی اسرائیل کی جانب سے وہ ناگوار واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔ (جب موسیٰؑ پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنادیں گے تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰؑ کو (یعنی مع صندوق کے) اٹھا لیا تا کہ وہ ان

لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اوران کے تابعین (اس بارے میں) بہت چوکے، اور فرعون کی بی بی (حضرت آسیہؓ) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اوران لوگوں کو (انجام) کی خبر نہ تھی اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰؑ کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بے قرار ہوگیا، قریب تھا کہ وہ موسیٰؑ کا حال (سب پر) ظاہر کردیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ ہمارے وعدہ پر یقین کئے (بیٹھی) رہیں۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰؑ کا سراغ تو لگا۔ سو انہوں نے موسیٰؑ کو دور سے دیکھا اوران لوگوں کو (یہ) خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰؑ پر دودھ پلائیوں کی بندش کررکھی تھی سو وہ (اس موقع کو دیکھ کر) کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (دل سے) اس کی خیرخواہی کریں، غرض ہم نے موسیٰؑ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچادیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ (فراق کے) غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے اور جب (پرورش پاکر) اپنی بھری جوانی کی عمر کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ) سے درست ہوگئے ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں اور موسیٰؑ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے اکثر باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، ایک تو ان کی برادری کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰؑ سے اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰؑ نے اس کو گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کردیا، موسیٰؑ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی، بے شک شیطان کھلا دشمن ہے (غلطی میں ڈال دیتا ہے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہوگیا ہے آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے

معاف فرمادیا بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا، مگر موسیٰؑ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں امداد چاہی تھی وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ اس سے فرمانے لگے بے شک تو صریح بدراہ آدمی ہے، سو جب موسیٰؑ نے اس پر ہاتھ بڑھانا چاہا جو دونوں کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰؑ کیا (آج) مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو معلوم ہوتا ہے کہ بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے دوڑتے ہوئے آیا، کہنے لگا کہ اے موسیٰؑ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔ پس (یہ سن) کر موسیٰؑ وہاں سے نکل گئے اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ رستہ معلوم نہ تھا دعا کے طور پر کہنے لگے کہ) اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچالیجئے اور جب موسیٰؑ مدین کی طرف ہو لئے کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سیدھا رستہ چلائے گا، اور جب مدین کے پانی یعنی کنوئیں پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ اپنی بکریاں روکے کھڑی ہیں، موسیٰؑ نے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا نہ لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں، پس (یہ سن) کر موسیٰؑ نے ان کے لئے پانی کھینچ کر ان کے جانوروں کو پلا دیا پھر (وہاں) سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے، پھر دعا کی کہ اے میرے پروردگار جو نعمت آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا حاجتمند ہوں سو موسیٰؑ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی اور (آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلایا تھا سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ

آئے (پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو، وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو پھر اگر تم دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، تم مجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے موسیٰؑ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی اور دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو (معاملہ) کی بات چیت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے''۔

آنحضرت ﷺ کے جامع کلمات

حمد وصلوٰۃ کے بعد! بے شک سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب (کی) ہے، اور سب سے زیادہ مضبوط کڑا تقوی کا کلمہ ہے، اور ملتوں میں بہترین ملت، ملت (ابراہیمی) ہے، اور طریقوں میں بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور سب سے اچھی بات اللہ کا ذکر ہے، اور یہ قرآن بہترین قصہ ہے، اور سب سے اچھا کام وہ ہے جس پر پختہ عزم کیا گیا ہو، اور بدترین چیز بدعتیں ہیں، اور سب سے اچھی سیرت نبیوں کی سیرت ہے، اور بہترین موت شہیدوں کی شہادت ہے، اور سب سے بڑا اندھا پن ہدایت کے بعد گمراہی ہے، اور بہترین علم وہ ہے جو نفع دے، اور بہترین راہ وہ ہے جس کی اتباع کی جائے، بدترین اندھا پن دل کا اندھا ہونا ہے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور جو چیز کم ہو اور کفایت کرے وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالے، سب سے بری معذرت اس وقت ہے جب موت آجائے، اور سب سے بڑی ندامت وشرمندگی وہ ہے جو قیامت کے دن ہو، بعض لوگ ایسے ہیں جو اخیر وقت میں ہی نماز ادا کرتے ہیں، اور بعضے وہ ہیں جو اللہ کا ذکر پابندی سے نہیں کرتے۔ اور سب سے بڑی خطا (گناہ) جھوٹی زبان یعنی (جھوٹا شخص) ہے، بہترین مالداری دل کی مالداری ہے اور بہترین توشہ تقوی ہے اور حکمت ودانائی کی بنیاد خدا کا خوف ہے، اور دلوں میں بیٹھ جانے والی بہترین چیز یقین ہے، اور شک کرنا کفر میں سے ہے، اور نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے، اور مال غنیمت میں چوری کرنا جہنم کا انگارہ ہے، اور خزانہ اندوزی دوزخ (کی آگ) سے داغنا ہے، اور (برا) شعر شیطان کے باجوں میں سے ہے، اور شراب گناہوں کی جڑ ہے، اور عورتیں شیطان کا جال ہیں اور جوانی دیوانگی کا ایک حصہ ہے، اور بدترین کمائی سود کی کمائی ہے، اور بدترین کھائے جانے

والی چیز یتیم کا مال ہے، اور نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے، اور بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت تھا، اور تم میں سے ہر ایک کو چار گز جگہ پر پہنچنا ہے، اور اصل معاملہ اس کے آخری عمل کے ساتھ وابستہ ہے، اور عمل کا مدار خاتمہ پر ہے، اور بدترین راوی جھوٹ کے راوی ہیں۔ اور ہر آنے والی چیز قریب ہے، مومن کو گالی دینا فسق اور مومن سے قتال کفر ہے، اور اس کا گوشت کھانا اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کے مال کی حرمت ایسی ہے جیسے اس کی جان کی حرمت وعظمت ہے، اور جو شخص اللہ پر قسم کھائے گا اللہ اس کو جھٹلائے گا، اور جو دوسرے کو معاف کرے گا اللہ اس کو معاف کرے گا اور جو پاک دامن بنے گا اللہ اس کو پاک دامن بنائے گا، اور جو غصہ ضبط کرے گا اللہ اس کو اجر دیں گے اور جو مصیبت پر صبر کرے گا اللہ اس کو اس کا بدلہ دیں گے، اور جو شخص شہرت کے پیچھے لگے گا اللہ (بھی) اس کی (قیامت کے روز لوگوں کے روبرو ذلیل کرنے کے لئے) شہرت کریں گے، اور جو صبر کرے گا اللہ اس کو دگنا (اجر) دیں گے، اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا اللہ اس کو عذاب دیں گے، اے اللہ! میری اور میری امت کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! میری اور میری امت کی مغفرت فرما، اے اللہ! میری اور میری امت کی مغفرت فرما میں اپنے لئے اور تمہارے لئے خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

(رواہ البیہقی فی دلائل وابن عساکر عن عقبۃ بن عامر الجہنیؓ)

﴿معجزانہ خطاب﴾

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بڑے بڑے عطیے قریش کو اور عرب کے قبیلوں کو دیئے اور انصار کو ان میں سے کچھ نہ ملا تو انصار کا یہ قبیلہ اتنا ملول خاطر ہوا کہ ان میں (اس کے متعلق) چہ میگوئیاں بہت زیادہ ہونے لگیں۔ ان میں سے کسی کہنے والے نے یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کا خیال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک انصار کا یہ قبیلہ آپؐ سے ملول خاطر ہوا ہے اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کے بارے میں جو آپؐ کو حاصل ہوا یہ کام (تقسیم) کیا کہ آپؐ نے اپنی قوم میں اس کو (تقسیم) کیا اور عرب کے قبائل کو بڑے بڑے عطیے دیئے (لیکن) اس قبیلہ انصار کو اس میں سے کچھ نہیں حاصل ہوا۔ آپؐ نے فرمایا! اے سعد! تم اس کو لینے کے لئے کہاں تھے؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں بھی اپنی ہی قوم میں سے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میرے لئے اس بارے میں اپنی قوم کو جمع کرو، آپؓ فرماتے ہیں کہ چنانچہ مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے، انہوں نے (یعنی میں نے) ان کو چھوڑا اور وہ داخل ہو گئے اور کچھ اور لوگ بھی آئے۔ ان کو بھی انہوں نے (یعنی میں نے) روکا، پس جب وہ سب جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ انصار کا یہ قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکٹھا ہو گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثنا بیان فرمائی جس کی وہ ذات لائق ہے، پھر فرمایا! "اے انصار کی جماعت! وہ کیا چہ میگوئیاں ہیں جو تمہاری طرف سے مجھ

تک پہنچی ہیں کیا تم کو کوئی بات ناگوار خاطر ہوئی ہے؟ کیا میں تمہارے پاس اس حال میں نہیں آیا کہ تم گمراہ تھے پھر اللہ نے میری وجہ سے تم کو ہدایت بخشی اور تم نادار تھے پھر اللہ نے میری وجہ سے تم کو مال دار بنادیا اور تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی انہوں نے کہا! اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ فضل واحسان والے ہیں؟ پھر آپؐ نے فرمایا! اے انصار کی جماعت! تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کو کس بات کا جواب دیں سارا فضل واحسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کا ہے! آپؐ نے فرمایا! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو سچی بات کہو اور میں بھی تمہاری تصدیق کروں کہ آپ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ آپ کی تکذیب کی گئی پس ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ بے یارومددگار تھے تو ہم نے آپ کی نصرت کی، اور آپ نظر انداز کئے ہوئے تھے تو ہم نے آپ کو جگہ دی اور آپ محتاج تھے چنانچہ ہم نے آپ کو اپنے مال میں برابر کا حصہ دیا، اے انصار کی جماعت! کیا تم مجھ سے دنیا کے ایک کاسنی کے پتے کے برابر چیز پر ملول خاطر ہوتے ہو جس کے ذریعہ میں نے ایک قوم کو (اسلام سے) مانوس کیا۔ اور (تالیف قلبی کی) تا کہ وہ اسلام لے آئیں اور میں نے تم کو تمہارے اسلام کے سپرد کیا، کیا تم اس بات سے راضی اور خوش نہیں ہوا اے انصار کی جماعت! کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ ساتھ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ خدا کے رسول ﷺ کو اپنے گھروں میں لے جاؤ؟ پس اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جو چیز تم لے کر واپس لوٹو گے وہ اس چیز سے بہتر ہے جس کو وہ لے کر لوٹیں گے، اور اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا، اور اگر دوسرے لوگ ایک گھاٹی اور وادی میں چلیں اور انصار دوسری گھاٹی اور وادی میں چلیں تو میں انصار کی (اختیار کردہ) گھاٹی اور وادی میں چلوں گا، انصار، شعار (بدن سے لگا ہوا کپڑا) کی مانند ہیں اور دوسرے لوگ دثار (اوپر اوڑھنے والا کپڑا) کی مانند ہیں اے اللہ! انصار پر انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما، (راوی) کہتے ہیں: (یہ سن کر) لوگ اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور کہتے تھے: ہم رسول اللہ ﷺ کے حصے اور تقسیم پر راضی ہیں۔ (زادالمعاد)

بنوسعد میں

رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حلیمہ بنت ابی ذؤیب السعد یہ جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے علاقہ سے اپنے شوہر اور اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ جس کو وہ دودھ پلاتی تھیں بنوسعد بن بکر کی چند عورتوں کے ہمراہ نکلیں تا کہ شیر خوار بچوں کو ڈھونڈیں، آپ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں: یہ واقعہ قحط سالی کا ہے جس نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا تھا، آپ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ چنانچہ میں اپنی سبزی مائل سفید گورخر (گدھی) پر (سوار ہوکر) نکلی، ہمارے پاس بوڑھی (لاغر) اونٹنی تھی، خدا کی قسم وہ ایک قطرہ (دودھ کا) بھی نہیں دیتی تھی، اور ہم اس بچہ کی وجہ سے جو ہمارے ساتھ تھا اس کے بھوک کے مارے رونے کے سبب ساری رات نہیں سوتے تھے، اور میری چھاتی میں وہ (دودھ) چیز نہیں تھی جو اس کو کفایت کرتی اور نہ ہماری بوڑھی اونٹنی میں بھی وہ چیز تھی جو اس کو کھانے کے لئے دی جاسکتی۔ البتہ ہم بارش کی اور کشادگی کی آس لگائے رکھتے تھے، پس میں اپنی اس گورخر پر سوار ہوکر نکلی، البتہ تحقیق میں نے قافلہ (والوں) پر مسافت کو طویل کردیا حتیٰ کہ اس کی کمزوری اور لاغر پن کی وجہ سے ان پر یہ سفر گراں گزار ہوگیا، یہاں تک کہ ہم مکہ میں آئے تا کہ ہم شیر خوار بچوں کو تلاش کریں۔ ہم عورتوں میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر وہ ان کو لینے سے انکار کرتیں جب اس کو کہا جاتا کہ یہ یتیم ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم بچہ کے باپ سے خیر (مال) کی توقع رکھتی تھیں، پس ہم کہتی تھیں کہ یہ تو یتیم ہے، اس لئے اس بات کی کوئی توقع نہیں ہے کہ اس کی ماں اور دادا کوئی سلوک کرے، پس اس وجہ سے ہم اس سے (اس کو لینے سے) ناگواری کا (اظہار) کرتی تھیں، پس کوئی ایسی عورت باقی نہیں رہی جو میرے ساتھ آئی تھی مگر اس نے کوئی نہ کوئی شیر خوار بچہ میرے علاوہ لے لیا

تھا، پس جب ہم نے واپس جانے کا پختہ ارادہ کرلیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم ! میں یقیناً اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ میں اپنی سہیلیوں کے درمیان سے اس حالت میں واپس لوٹوں کہ کوئی بھی شیر خوار بچہ نہ لوں، خدا کی قسم ! میں اس یتیم بچہ کی جانب ضرور جاؤں گی اور اس کو ضرور لےلوں گی، انہوں نے کہا: (ٹھیک ہے) کوئی حرج نہیں تم ایسا کرلو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لئے برکت پیدا فرمادے، (حلیمہ) کہتی ہیں کہ چنانچہ میں اس بچہ کی طرف گئی اور اس کو لے لیا، اس کو لینے پر مجھے نہیں آمادہ کیا مگر اس بات نے کہ مجھے اس کے سوا کوئی بچہ نہیں ملا آپؓ کہتی ہیں: پس جب میں نے اس کو لیا تو اس کو لے کر اپنے گھر واپس لوٹی، پس جب میں نے اس کو اپنی گود میں رکھا تو میری دونوں چھاتیاں خوب دودھ سے بھر گئیں، پس آپ ﷺ نے اتنا دودھ پیا کہ آپ سیر ہوگئے اور ان کے ساتھ ان کے بھائی نے بھی اتنا پیا کہ وہ بھی سیر ہوگئے، پھر وہ دونوں سوگئے، اس سے پہلے ہم اس کے ساتھ نہیں سوتے تھے، اور میرا شوہر ہماری اس بوڑھی اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بھی دودھ سے بھری ہوئی ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا دودھ نکالا، پھر انہوں نے خود بھی پیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ پیا حتیٰ کہ ہم خوب سیر ہوگئے، پھر ہم نے خیر و بھلائی کے ساتھ رات بسر کی، آپؓ کہتی ہیں کہ جب ہم نے صبح کی تو میرا خاوند کہنے لگا: اے حلیمہ! خدا کی قسم تو جان لے، تو نے ایک مبارک انسان لیا ہے، آپؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: خدا کی قسم! میں اس کی امید رکھتی ہوں، آپؓ کہتی ہیں کہ پھر ہم باہر نکلے اور اپنی اس گدھی پر سوار ہوئی اور اپنے ساتھ اس (مبارک بچہ) کو بھی سوار کیا تو خدا کی قسم میں اس قافلہ پر سبقت لے گئی، ان کے سرخ اونٹوں میں سے کوئی اونٹ بھی اس پر (سبقت لے جانے کی قدرت) نہ رکھتا، حتیٰ کہ میری سہیلیاں مجھ سے کہتیں اے ابی ذوئیب کی بیٹی تیرا ناس ہو، ہم پر مہربانی کرو کیا یہ تمہاری وہی گدھی نہیں ہے جس پر تو نکلی تھی؟ میں ان سے کہتی ہاں کیوں نہیں یہ البتہ وہی ہے تو وہ کہتیں: خدا کی قسم! بے شک اس کی تو (اب) حالت ہی کچھ اور ہے آپؓ کہتی ہیں کہ پھر ہم بنوسعد کے علاقوں میں اپنے گھروں میں آگئے، میرے علم میں خدا کی زمینوں میں سے کوئی ایسی زمین نہیں تھی جو اس سے زیادہ قحط زدہ ہو، پس میری بکریاں میرے پاس شام کو آئی تھیں،

(لیکن اب) جس وقت ہم یہاں آئے تو ہمارے پاس خوب شکم سیر اور دودھ سے بھری ہوئی بکریاں تھیں۔ پس ہم دودھ دوہتے اور پیتے اور کوئی انسان ایک قطرہ بھی (دودھ کا) نہ دوہتا اور نہ اس کو تھنوں میں پاتا یہاں تک کہ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تمہارا ستیاناس ہو! تم بھی اس جگہ بکریاں چرایا کرو جہاں ابوذؤیب کی بیٹی حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں، پس ان کی بکریاں پھر بھی بھوکی شام کو لوٹتیں، دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ دیتیں، اور میری بکریاں شام کو شکم سیر اور دودھ بھری ہوئی لوٹتیں، پس ہم مسلسل اللہ کی طرف سے خیر و برکات کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس بچہ کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا، اور وہ اس طریقہ سے جوان ہو رہے تھے کہ دوسرے بچے اس کے مشابہ نہیں ہو سکتے تھے پس وہ (ابھی) دو سال کو نہیں پہنچے تھے کہ مضبوط و توانا بچہ بن گئے، آپؓ کہتی ہیں کہ پھر ہم ان کو ان کی ماں کے پاس لے آئے، جبکہ ہماری شدید خواہش تھی کہ وہ ہمارے ہاں ہی رہے، کیونکہ ہم ان کی برکات کا مشاہدہ کرتے تھے، پس ہم نے ان کی والدہ سے بات چیت کی اور میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ میرے بیٹے کو میرے پاس چھوڑ دیں (تو بہتر ہو) یہاں تک وہ مضبوط و توانا ہو جائیں۔ پس بے شک میں ان پر مکہ کی وبا کا اندیشہ رکھتی ہوں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم ان کو کہتے رہے مناتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اس مبارک بچہ کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیا، آپؓ کہتی ہیں کہ پس ہم اس کو لے کر واپس ہوئے۔ پس خدا کی قسم! ہمیں ان کو لائے ہوئے کوئی زیادہ مہینے نہیں گزرے تھے کہ (ایک دن) کو وہ اپنے (دودھ شریک) بھائی کے ساتھ ہمارے گھر کے پیچھے چھوٹی بکریوں میں مشغول تھے کہ اچانک ان کا بھائی ہمارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اس نے مجھے اور اپنے والد سے کہا، میرے اس قریشی بھائی کو دو ایسے آدمیوں نے پکڑا جن کے بدن پر سفید کپڑے ہیں پھر ان کو لیٹا کر ان کا پیٹ چیر دیا ہے پس وہ دو آدمی اس کو ملا رہے ہیں (جوڑ رہے ہیں)۔ آپ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پس میں اور اس کا باپ اس کی جانب نکلے تو ان کو اس حال میں کھڑا پایا کہ چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ پس میں ان کے ساتھ چمٹ گئی اور ان کا والد بھی ان کے ساتھ چمٹ گیا، پھر ہم نے ان سے پوچھا

اے بیٹے تجھے کیا ہوا؟ انہوں نے کہا میرے پاس دو ایسے آدمی آئے جن کے جسم پر سفید کپڑے تھے انہوں نے مجھے لیٹایا اور میرا پیٹ چاک کیا، پھر اس میں کوئی چیز ڈھونڈی مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا تھی؟ آپ ﷺ کہتی ہیں کہ مجھے ان کے والد نے کہا: اے حلیمہؓ! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اس بچہ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے، پس تو اس کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دے قبل اس کے کہ وہ بات ظاہر ہو، وہ کہتی ہیں کہ چنانچہ ہم نے ان کو اٹھایا اور ہم ان کو ان کی والدہ کے پاس لے آئے، پس والدہ نے کہا: اے دایہ! کیا چیز تجھے اس کے ساتھ لے آئی؟ جبکہ تو اس (بچہ) کی اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی خوب خواہش مند تھی؟ حلیمہ نے کہا کہ میں نے کہا اللہ نے میرے بیٹے کو پہنچا دیا اور میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی، اور مجھے اس پر حوادث کا اندیشہ تھا، پس میں نے اس کو آپ تک پہنچا دیا جیسا کہ آپ چاہتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اصل بات کیا ہے؟ اپنا واقعہ سچ سچ بتاؤ؟ حلیمہ کہتی ہیں کہ انہوں نے مجھے نہیں چھوڑا حتیٰ کہ میں نے ان کو بتا دیا۔ انہوں نے کہا کیا تجھے اس پر شیطان کا اندیشہ ہے؟ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا جی ہاں انہوں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم شیطان کا ان پر کوئی اختیار نہیں، اور بے شک میرے بیٹے کی ایک خاص بات ہے، تو کیا میں تجھے اس کی خبر نہ بتا دوں؟ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کیوں نہیں! انہوں نے کہا جس وقت میں اس کے ساتھ حاملہ ہوئی تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا جس نے میرے سامنے ملک شام کے (علاقہ) بصریٰ کے محلات روشن کر دیئے پھر میں اس کے ساتھ حاملہ ہوئی پس خدا کی قسم! میں نے کبھی بھی ایسا حمل نہیں دیکھا جو مجھ پر زیادہ ہلکا ہو، اور نہ ایسا جو اس سے زیادہ آسان ہو، اور جس وقت میں نے ان کو جنا تو وہ اس طرح آئے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے تھے، سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا، اے حلیمہؓ! تو اس کی طرف سے بے فکر رہ اور تو سیدھے راستہ پر چل۔ (سیرت ابن ہشام)

﴿نبی کریم ﷺ نے ہجرت کیسے فرمائی ؟﴾

بے شک حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[۱] فرماتی ہیں:
جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا متبع پایا، اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں دن کے دونوں حصوں یعنی صبح و شام تشریف نہ لاتے ہوں، پھر جب (مکہ مکرمہ) میں مسلمان آزمائش سے دوچار ہونے لگے تو ابوبکرؓ ملک حبشہ کی جانب ہجرت کے ارادہ سے نکلے، جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو آپؓ سے ابن الدغنہ کی ملاقات ہوئی۔ وہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا اس نے پوچھا اے ابوبکرؓ! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ زمین میں چلوں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں ابن الدغنہ نے کہا؟ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ جیسے انسان کو تو اپنے وطن سے نہ خود نکلنا چاہئے اور نہ آپؓ کو نکالا جانا چاہئے آپؓ تو محتاجوں کی مدد کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی بنیاد پر کسی پر آنے والے مصائب میں اس کی امداد کرتے ہیں میں آپؓ کو پناہ دیتا ہوں واپس چلو اور اپنے شہر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو چنانچہ آپؓ واپس آگئے اور ابن الدغنہ بھی آپؓ کے ہمراہ واپس آگیا پھر ابن الدغنہ شام کے وقت قریش کے تمام سرداروں کے پاس گیا اور ان سب سے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو نہ خود نکلنا چاہئے اور اسے نکالنا چاہئے کیا تم ایک ایسے آدمی کو نکال

---

[۱] آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اور خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کبار فقہاء میں سے تھیں۔ پینسٹھ سال کی زندگی پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت میں آٹھ سال اور پانچ ماہ رہیں۔ آپ نے ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی۔

دو گے جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے بے کسوں کا بوجھ اٹھاتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی بنیاد پر کسی پر آنے والی مصیبتوں میں اس کی امداد کرتا ہے، قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ سے انکار نہیں کیا، البتہ یہ کہا کہ ابوبکرؓ سے کہدو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر ہی کرلیا کریں۔ وہیں نماز پڑھیں اور جو جی چاہے پڑھیں، ان (عبادات) سے ہمیں اذیت نہ پہنچائیں اور اس کا اعلان و اظہار نہ کریں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور ہمارے بچے اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، چنانچہ ابن الدغنہ نے یہ باتیں ابوبکرؓ سے کہہ دیں ابوبکرؓ کچھ عرصہ تک اس پر قائم رہے اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں ہی کرتے رہے۔ آپؓ نہ نماز علی الاعلان پڑھتے تھے، اور نہ اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ تلاوت کرتے تھے (لیکن) پھر ابوبکر صدیقؓ کے لئے یہ بات ظاہر ہوئی (انہوں نے کچھ سوچا) اور اپنے گھر کے سامنے ایک نماز گاہ بنائی جہاں آپؓ نماز پڑھنے لگے اور تلاوت قرآن بھی وہیں کرنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مشرکین کی عورتوں اور ان کے بچوں کا مجمع ہونے لگا وہ سب حیرت اور پسندیدگی کے ساتھ آپؓ کو دیکھتے رہتے حضرت ابوبکرؓ بڑے رونے والے انسان تھے، جب قرآن کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کو روک نہ سکتے تھے، پس مشرکین قریش کے سردار اس صورت حال کی وجہ سے گھبرا گئے۔ اور انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا جب ابن الدغنہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا ہم نے ابوبکرؓ کے لئے تمہاری پناہ اس شرط پر مانی تھی کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کیا کریں گے۔ لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا ہے اور اپنے گھر کے سامنے ایک نماز گاہ بنا کر اس میں برسر عام نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے لگے ہیں ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور ہماری اولاد اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، (اس لئے تم اس کو روکو) اگر اسے یہ منظور ہو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کیا کریں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں اور اگر وہ انکار کریں اور اس کو علی الاعلان کرنے پر مصر ہیں تو ان سے پوچھ لو کہ تمہاری پناہ واپس دیدیں؟ کیونکہ ہمیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہم تیرے ساتھ عہد شکنی کریں (لیکن) ہم ابوبکرؓ کے اعلان و اظہار کو

برداشت نہیں کریں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر ابن الدغنہ ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ جس شرط پر میں نے آپؓ سے عہد کیا تھا وہ آپؓ کو معلوم ہے اب آپؓ اس پر قائم رہیں یا پھر میرے عہد کو واپس کردیں کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ سنیں کہ میں نے ایک آدمی کو پناہ دی تھی مگر اس میں عہد شکنی کی گئی، اس پر ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تمہاری پناہ تمہیں واپس کرتا ہوں، اور اللہ کی پناہ پر راضی وخوش ہوں، حضور اکرم ﷺ ان دنوں مکہ مکرمہ میں تشریف رکھتے تھے آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تمہارا ہجرت کا گھر مجھے (خواب میں) دکھایا گیا وہ (سرزمین) کھجور کے (باغات والی) ہے اور سیاہ دو پتھریلے میدانوں کے درمیان واقع ہے چنانچہ جنہوں نے ہجرت کرنا تھی انہوں نے ہجرت کی اور جو حضرات سرزمین حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہ بھی مدینہ واپس چلے آئے، ابوبکرؓ نے بھی مدینہ کی جانب (ہجرت کی) تیاری شروع کردی (لیکن) آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم (کچھ دنوں کے لئے) توقف کرو مجھے امید ہے کہ مجھے (ہجرت) کی اجازت مل جائے گی ابوبکرؓ نے عرض کیا: کیا واقعی آپ کو اس کی توقع ہے میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، ابوبکرؓ نے حضور کی رفاقت کے خیال سے اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور دو اونٹنیوں کو جو ان کے پاس تھیں کیکر کے پتے کھلا کر تیار کرنے لگے، چار مہینے تک ایسا کیا، ابن شہاب کہتے ہیں کہ عروہؓ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ایک دن ہم ابوبکرؓ کے گھر دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابوبکرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک پر کپڑا اڈالے تشریف لا رہے ہیں آنحضرتؐ کا معمول ہمارے ہاں اس وقت آنے کا نہیں تھا حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے حضور ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں خدا کی قسم! ایسے وقت میں آپؐ کسی خاص وجہ سے تشریف لائے ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ ابوبکرؓ نے آپؐ کو اجازت دی تو آپؐ اندر داخل ہوئے پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اپنے پاس سے دوسروں کو اٹھا دو، ابوبکرؓ نے عرض کی میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، یا رسول اللہ یہ سب آپؐ کے گھر کے افراد ہیں آنحضورؐ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی

اجازت دیدی گئی ہے ابوبکرؓ نے عرض کی کیا مجھے رفاقت کا شرف حاصل ہوگا؟ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں ان دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آپؐ لے لیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ (لیکن) قیمت سے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے پھر جلدی جلدی تیاری شروع کردی اور کچھ زادِ سفر ایک تھیلے میں رکھ دیا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے پٹکے کے ٹکڑے کر کے تھیلے کا منہ اس سے باندھ دیا۔ اور اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاق (پٹکے والی) پڑ گیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ نے جبل ثور کے ایک غار میں پڑاؤ کیا، اور تین راتیں وہیں ٹھہرے، عبداللہ بن ابی بکرؓ رات ان دونوں کے پاس جا کر گزارتے، یہ جوان مگر بہت سمجھدار تھے، تیز فہم رکھتے تھے، سحر کے وقت ان دونوں کے پاس سے نکل آتے اور مکہ میں قریش کے ساتھ صبح یوں کرتے جیسے وہیں رات گزاری ہو۔ پھر جو کچھ یہاں ایسی بات سنتے جس کے ذریعہ ان دو حضرات کے خلاف کاروائی کے لئے تدبیر کی جاسکتی تو اسے محفوظ رکھتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو ساری خبر یہاں آ کر ان کو پہنچاتے۔ ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ آپ حضرات کے لئے دودھ دینے والی بکری چرایا کرتے تھے اور جب رات کا کچھ وقت گزر جاتا تو اسے غار میں لے آتے تھے، آپ حضرات اسی تازہ دودھ پر رات گزارتے، اس دودھ کو گرم پتھر کے ذریعہ گرم کرلیا جاتا تھا، صبح اندھیرے ہی میں عامر بن فہیرہؓ بکری ڈانٹتے ہوئے غار سے نکل آتے تھے۔ ان تین راتوں ہر رات ان کا یہی معمول تھا، رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ نے بنی الدئل جو بنی عبد بن عدی کی ایک شاخ تھی، کے ایک شخص کو راستہ بتانے کے لئے اجرت پر رکھا تھا۔ یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا، یہ آل عاص بن وائل السہمی کا حلف (معاہدہ) بھی تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر قائم تھا، ان دونوں نے اس پر اعتماد کیا، اور ان دونوں نے اپنے دونوں اونٹ اس کے حوالہ کردیئے، انہوں نے اس سے طے یہ کیا کہ تین راتوں کے بعد یہ شخص غار ثور میں ان سے ملاقات کرے، چنانچہ تیسری رات کی صبح کو وہ دونوں اونٹ لے آیا، اب عامر بن فہیرہؓ اور یہ راستہ بتانے والا ان حضرات کو ساتھ لے کر چلے ساحل کے راستہ سے ہوتے ہوئے نکلے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن مالک المدلجیؒ نے خبر

دی، آپ سراقہ بن مالک بن جشم کے بھتیجے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں خبر دی اور انہوں نے سراقہ بن مالک بن جشم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے اور یہ پیش کش کی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کو جو شخص قتل کر دے یا قید کرے تو ہر ایک کے بدلہ میں اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کی مجلسوں میں سے ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا ایک آدمی سامنے آیا اور ہمارے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا، اے سراقہ! ساحل پر میں نے ابھی چند اشخاص دیکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہی ہیں، سراقہ نے کہا، میں سمجھ گیا کہ وہ واقعی وہی ہیں (لیکن) میں نے اس سے کہا کہ یہ وہ حضرات نہیں ہیں۔ البتہ تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، اور ہمارے سامنے اسی طرف گئے ہیں، پھر میں مجلس میں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہا اور پھر اٹھتے ہی گھر آ گیا، اور اپنی باندی سے کہا، میرے گھوڑے کو لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جا۔ اور وہیں میرا انتظار کر، اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ لیا، اور گھر کی پشت سے باہر آیا، نیزے کی نوک سے زمین پر لکیر کھینچتے ہوئے چلا گیا، اور اس کے اوپر کے حصے کو چھپائے ہوئے تھا، حتیٰ کے میں اپنے گھوڑے کے پاس آ کر اس پر سوار ہوا اور صبا رفتاری کے ساتھ اسے لے چلا، جتنی سرعت کے ساتھ میرے لئے ممکن تھا، آخر کار میں نے ان کو پالیا، اسی وقت میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، اور مجھے زمین پر گرا دیا لیکن میں اٹھا اور اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا، اس میں سے تیر نکال کر میں نے فال نکالی کہ آیا میں ان کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں؟ فال وہ نکلی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا (یعنی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکوں گا) لیکن میں پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور تیروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ پھر میرا گھوڑا مجھے تیزی کے ساتھ دوڑاتے لے جارہا تھا، آخر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت سنی، حضورؐ میری طرف توجہ نہیں کر رہے تھے، لیکن ابو بکرؓ کثرت سے مڑ کر دیکھتے تھے (اچانک) میرے گھوڑے کے آگے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ وہ گھٹنوں تک دھنس گیا تو میں اس کے اوپر سے گر پڑا اور اسے پھر اٹھنے کے لئے ڈانٹا، میں نے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے پاؤں زمین سے نہ نکال سکا، جب اس نے پوری طرح کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اس کے آگے کے

پاؤں سے غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا، پھر میں نے تیروں سے فال نکالی، لیکن اس مرتبہ بھی وہی فال نکلی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا، پھر میں نے ان حضرات کو امان دینے کے لئے پکارا، پس وہ لوگ کھڑے ہوگئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا، جس طرح برے ارادے کے ساتھ ان تک پہنچنے سے مجھے روک دیا گیا تھا اسی سے میرے دل میں بیٹھ گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت غالب آئے گی، اسی لئے میں نے حضورؑ سے کہا، آپؐ کی قوم نے آپؐ کے لئے (سو اونٹوں کے انعام کا) بدلہ رکھا ہے۔ پھر میں نے ان حضرات کو قریش کے ارادوں کی اطلاع دی ، میں نے ان حضرات کی خدمت میں کچھ توشہ اور سامان پیش کیا۔ لیکن حضورؑ نے اسے قبول نہیں کیا، اور انہوں نے مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق راز داری سے کام لینا، لیکن میں نے آپؐ سے عرض کی کہ آپؐ میرے لئے ایک امن کی تحریر لکھ دیجئے، چنانچہ آپؐ نے عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا تو انہوں نے چمڑے کے ایک رقعہ پر وہ تحریر لکھ دی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے چل دیئے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کی زبیرؓ سے ملاقات ہوئی جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے، حضرت زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کو سفید پوشاک پہنائی، ادھر مدینہ منورہ میں بھی مسلمانوں نے حضورؐ کے مکہ سے آنے کی بات سن لی تھی، اور یہ حضرات روزانہ صبح کو مقام حرہ تک آتے تھے اور حضورؐ کا انتظار کرتے تھے، لیکن دوپہر کی گرمی کی وجہ سے انہیں واپس ہو جانا پڑتا تھا، ایک دن جب طویل انتظار کے بعد سب واپس آگئے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو ایک یہودی آدمی نے اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ سے جو غور سے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نظر آئے، اس وقت آپؐ سفید لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور نظروں سے بہت دور تھے، پس وہ یہودی بے اختیار با آواز بلند کہنے لگا کہ اے عرب کے قبیلہ والو! یہ ہیں تمہارے بزرگ جن کا تمہیں انتظار تھا، مسلمان ہتھیار لے کر دوڑ پڑے اور حضورؐ کا مقام حرہ پر پہنچنے سے پہلے استقبال کیا، آپؐ نے ان کے ساتھ دائیں طرف کا راستہ اختیار کیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام کیا، یہ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن تھا،

ابوبکرؓ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، انصار کے جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ ابوبکرؓ کو سلام کرنے لگے، لیکن جب حضور اکرم ﷺ پر دھوپ پڑی اور ابوبکرؓ نے اپنی چادر سے حضورؐ پر سایہ کیا تو اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا، حضور ﷺ نے بنی عمرو بن عوف میں تقریباً دس دن تک قیام کیا اور وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اس کی بنیاد رکھی اور اس میں آپؐ نے نماز پڑھی، پھر آنحضرتؐ اپنی سواری پر سوار ہوئے، لوگ بھی آپؐ کے ساتھ روانہ ہوئے، حتیٰ کہ حضورؐ کی سواری مدینہ میں مسجد نبوی کے پاس آ کر بیٹھ گئی، اس جگہ چند مسلمان حضرات ان دنوں نماز ادا کرتے تھے، اور یہ جگہ سہیلؓ اور سہلؓ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور ان کا یہاں کھجور کا کھلیان ہوتا تھا، یہ دونوں بچے اسعد بن زرارہ کی زیر پرورش تھے، جب حضورؐ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ یہی قیام گاہ ہے، بعد ازاں حضورؐ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور ان سے اس کھلیان کا معاملہ کرنا چاہا تاکہ آپؐ اس میں مسجد بنائیں، ان دونوں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم یہ جگہ آپ کو ہبہ کرتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہبہ کے طور پر ان سے قبول کرنے سے انکار فرمایا، یہاں تک کہ وہ زمین ان سے خرید لی، پھر وہاں مسجد تعمیر فرمائی، اس کی تعمیر میں خود رسول اللہ ﷺ بھی اپنے صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھونے لگے، اور ڈھوتے ہوئے یہ فرماتے تھے کہ ''یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں ہے یہ اللہ کے ہاں زیادہ طہارت اور پاکی والا ہے۔ اور آپؐ فرماتے تھے۔ اے اللہ! اجر تو صرف آخرت کا اجر ہے۔ پس آپ انصار اور مہاجرین پر رحمت نازل فرمائیں پھر آپؐ نے ایک مسلمان آدمی کے شعر کو بطور مثال پیش کیا جس کا نام مجھے معلوم نہیں ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ احادیث سے ہمیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شعر کے سوا کسی شاعر کے مکمل شعر کو کسی موقعہ پر بطور نمونہ پیش کیا ہو۔

(بخاری)

﴿حضرت کعب بن مالکؓ کی آزمائش﴾

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے سوا اور کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں، البتہ غزوہ بدر میں بھی شریک نہیں ہوا تھا، لیکن جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا گیا، (کیونکہ) رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر قریش کے قافلے کی تلاش کے ارادہ سے نکلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی (سابقہ) وقت مقرر کے بغیر ان کو اور ان کے دشمنوں کو آپس میں (لڑائی کے لئے) اکٹھا کر دیا، اور میں لیلۃ عقبہ میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا جس وقت ہم نے اسلام کے لئے عہد کیا تھا اور میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ میرے لئے اس کے بدلے میں غزوہ بدر ہو (یعنی یہ مجھے غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز تھا) اگر چہ لوگوں کی زبانوں پر بدر کا چرچا بہت زیادہ ہے۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ میں کبھی اتنا قوی اور اتنا مالدار نہیں ہوا تھا جتنا اس موقع پر جب کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ اس غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکا تھا خدا کی قسم! اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے البتہ اس غزوہ کے موقع پر میرے پاس جمع تھے، رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو آپؐ اس کے لئے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے تھے (تا کہ حقیقت مخفی رہے) لیکن جب اس غزوہ کا موقع آیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ غزوہ سخت گرمی میں فرمایا، آپ کو دور دراز سفر کا سابقہ پڑا، راستہ بیابان اور دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا تا کہ اس غزوہ کے متعلق پوری طرح تیاری کر لیں، چنانچہ آپؐ نے اس سمت کی بھی نشان دہی کر دی جدھر سے آپ کا

جانے کا ارادہ تھا، مسلمان بھی حضورؐ کے ساتھ بہت تھے کہ کسی رجسٹر میں سب کے ناموں کو جمع کرنا مشکل تھا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اگر اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو وہ یہ خیال کرسکتا تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا (کیونکہ لشکر بہت زیادہ تھا) مگر یہ کہ اس کے متعلق وحی الٰہی نازل ہو، رسول اللہ ﷺ نے یہ غزوہ اس وقت فرمایا جب پھل پک چکے تھے اور سایہ میں لوگ بیٹھ کر لطف اندوز ہوتے تھے، حضور اکرم ﷺ بھی تیاری فرمارہے تھے اور آپؐ کے ساتھ مسلمان بھی تیاریوں میں مصروف تھے، (لیکن میں روزانہ سوچتا) کہ میں بھی صبح سے ان کے ساتھ تیاری کروں گا، پس میں اس طرح روزانہ ٹالتا رہا اور کچھ فیصلہ نہ کر پاتا اور دل میں کہتا کہ میں تیاری کرسکتا ہوں، یونہی صبح کو مسلسل وقت گزرتا گیا، آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل کرلیں اور حضور ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے، اس وقت تک میں نے اپنی تیاری کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا، اس موقع پر بھی میں نے دل کو یہ کہہ کر سمجھالیا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کرلوں گا، اور پھر ان سے جاملوں گا، ان لوگوں کے روانہ ہونے کے بعد میں (دوسرے دن) صبح کو نکلا لیکن میں واپس آگیا اور کچھ فیصلہ نہ کیا پھر (تیسرے دن) صبح کو نکلا پھر واپس لوٹ آیا اور کچھ فیصلہ نہیں کیا یوں مسلسل ہوتا رہا حتیٰ کہ اس نے جلدی کی اور (لشکر) بہت آگے بڑھ گیا، اور میں نے ارادہ کیا کہ یہاں سے روانہ ہوکر انہیں پالوں گا، کاش میں نے ایسا کرلیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تھا اور لوگوں میں گھومتا پھرتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا، کیونکہ میں یا تو ایسے آدمی کو دیکھتا جس پر نفاق ٹپکتا تھا یا پھر کوئی ایسا آدمی نظر آتا جس کو اللہ تعالیٰ نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے کسی سے میرا ذکر نہیں فرمایا تھا، لیکن جب آپؐ تبوک پہنچ گئے تو وہاں لوگوں (کی ایک مجلس) میں بیٹھے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کعبؓ نے کیا کیا؟ بنوسلمہ کے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اس کو اس کی چادروں اور خود پسندی نے روک دیا۔ (یعنی غرور وتکبر نے روکا) اس پر معاذ بن جبلؓ بولے تم نے بری بات کہی، یا رسول اللہ! خدا کی قسم! ہمیں ان کے متعلق خیر

کے سوااور کچھ معلوم نہیں، آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے، کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھ پر فکر وتردد سوار ہوا اور میں جھوٹا بہانہ سوچنے لگا اور میں دل میں کہنے لگا کہ کس طرح میں کل کو حضورؐ کی ناراضگی سے بچ سکوں گا؟ اور میں نے اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق مدد (مشورہ) لی لیکن جب کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ سے) بالکل قریب آچکے ہیں تو باطل خیالات میرے ذہن سے چھٹ گئے۔ اور میں نے جان لیا کہ میں اس سے کسی جھوٹی بات کے ذریعہ نکل نہیں سکوں گا، چنانچہ میں نے سچ کہنے کا پختہ عزم کرلیا، صبح کے وقت حضور اکرم ﷺ تشریف لائے، جب آپؐ کسی سفر سے واپس آتے تو (آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ) پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے چنانچہ جب آپؐ نے یہ کام کرلیا تو آپؐ کے پاس وہ لوگ آئے جو غزوہ میں پیچھے (شریک نہ ہوئے تھے) رہ گئے تھے اور آپؐ کے سامنے عذر پیش کرنے لگے اور قسم کھانے لگے ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً اسی تھی، حضور اکرم ﷺ نے ان کے ظاہر کو قبول فرمایا، اور ان سے بیعت لی، (عہد کیا) اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا، جب میں نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ مسکرائے جیسے ناراض آدمی مسکراتا ہے، پھر فرمایا آؤ، میں چلتا ہوا آیا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا، آپؐ نے مجھ سے پوچھا تم غزوہ میں کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے کوئی سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں (یعنی میرے پاس سواری موجود تھی) خدا کی قسم! اگر میں آپؐ کے سوا کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا، مجھے حجت بازی کرنی آتی ہے، لیکن خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپؐ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کرکے آپ کو راضی کرلوں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا اور اگر میں آپؐ سے سچی بات بیان کردوں تو یقیناً آپؐ مجھ سے کبیدہ خاطر ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ سے مجھے عفو ودرگزر کی امید ہے۔ نہیں خدا کی قسم! مجھے کوئی عذر نہیں تھا، خدا کی قسم! پہلے کبھی میں اتنا قوی اور مال دار نہیں تھا جس

وقت میں آپؐ کے ساتھ شریک نہ ہو سکا، حضور ﷺ نے فرمایا، اس نے سچی بات بتا دی ہے اچھا اب اٹھ جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دیں میں اٹھ گیا۔ اور بنو سلمہ کے کچھ آدمی چلے اور میرے پیچھے آئے، اور مجھ سے کہنے لگے خدا کی قسم! ہمیں تمہارے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے اور تم واقعی حضور ﷺ کے سامنے عذر بیان نہ کرکے عاجز آ گئے جیسے دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے حضورؐ کے سامنے عذر بیان کیا، تمہارے گناہ کے لئے تو حضور ﷺ کا استغفار ہی کافی ہو جاتا، پس خدا کی قسم! یہ لوگ مجھ پر اتنی سخت ملامت کرتے رہے کہ میں نے حضورؐ کے پاس واپس جا کر جھوٹا عذر کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں دو حضرات نے اسی طرح کہا جس طرح تم نے کہا اور انہیں جواب بھی اسی طرح ملا جس طرح تمہیں ملا میں نے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارۃ بن الربیع العمرویؓ اور بلال بن امیہ الواقفیؓ۔ انہوں نے دو ایسے نیک آدمیوں کا نام ذکر کیا جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے ان کا طرز عمل میرے لئے نمونہ بن گیا، چنانچہ انہوں نے ان دونوں کا نام لیا تو میں (اپنے گھر) چلا آیا، اور حضور اکرم ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے سے ممانعت کر دی، یعنی جو غزوہ میں پیچھے رہ گئے تھے (شریک نہ ہوئے تھے) ان میں سے صرف ہم تین افراد سے۔ لوگ ہم سے الگ تھلگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے ایسا لگتا جیسے ساری کائنات بدل گئی ہو اور اب یہ وہ نہیں ہے جس کو میں پہچانتا تھا پچاس دن تک ہم اسی حال پر رہے، میرے دو ساتھی تو کم ہمت ہو گئے اور اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور روتے رہتے۔ البتہ میں لوگوں میں زیادہ جرأت و ہمت والا تھا، میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا، اور بازاروں میں گھومتا رہتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا، اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا آپ کو سلام کرتا۔ جب آپ نماز کے بعد اپنی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہونٹ مبارک ہلائے یا

نہیں؟ پھر آپؐ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا، اور آپ ﷺ کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا، جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا (مشغول ہوتا) تو حضورؐ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے، آخر جب لوگوں کی بے رخی مجھ پر بڑھ گئی تو میں ایک دن چلا اور ابوقتادہؓ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ میرے چچازاد بھائی تھے، اور وہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ پیارے تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا تو خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہؓ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں؟ وہ خاموش رہے میں نے سہ بارہ ان سے یہی سوال کیا اور خدا کا واسطہ دیا لیکن اس مرتبہ بھی وہ خاموش رہے میں نے دوبارہ یہی سوال کیا اور ان کو خدا کا واسطہ دیا، تو کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس پر میرے آنسو بہنے لگے۔ میں واپس چلا آیا اور دیوار پر چڑھ کر نیچے اتر آیا، آپؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار میں چلا جارہا تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینہ آیا تھا، پوچھ رہا تھا کہ کون میری کعب بن مالک کے متعلق رہنمائی کرے گا؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے تو وہ میرے پاس آیا اور شاہ غسان کا ایک خط مجھے دیا، اس میں یہ تحریر تھا: ''امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (حضور اکرم ﷺ) نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی ذلیل نہیں پیدا کیا کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے ساتھ آملو، ہم تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے۔

جب میں نے یہ خط پڑھا تو میں نے کہا کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے، میں نے اس خط کو تنور میں جلا دینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس کو تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ حتیٰ کہ جب ان پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر گئے تو اچانک رسول اللہ کا قاصد میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ تم کو حکم دے رہے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو، میں نے پوچھا کیا میں اس کو طلاق دیدوں یا پھر میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ تم صرف اس سے جدا رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ، میرے دو ساتھیوں کو بھی اسی طرح کا

حکم بھیجا تھا، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کردے، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہؓ کی بیوی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی یارسول اللہ! ہلال بن امیہؓ بہت بوڑھے اور ناتواں ہیں ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، تو کیا اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپؐ اس بات کو ناپسند فرمائیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ البتہ وہ تجھ سے صحبت نہ کرے، انہوں نے عرض کی خدا کی قسم! وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کرسکتے، خدا کی قسم! جب سے یہ عتاب ان پر ہوا ہے اس دن سے آج تک وہ مسلسل رو رہے ہیں، میرے گھر کے بعض لوگوں نے کہا کہ جس طرح ہلال بن امیہؓ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دی گئی ہے آپ بھی اگر اسی طرح اپنی بیوی کے لئے آنحضورؐ سے اجازت لے لیں تو بہت اچھا ہو، میں نے کہا کہ میں اس کے لئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا، میں جوان آدمی ہوں مجھے معلوم نہیں کہ جب آپؐ سے اجازت لوں گا تو حضور کیا فرمائیں گے؟ اس کے بعد میں دس راتیں اور ٹھہرا رہا۔ اور جس وقت سے رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے پچاس دن پورے ہوگئے، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں نے فجر کی نماز پڑھ لی اور میں اپنے گھر میں سے کسی گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا، دریں اثناء کہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، میرا دم مجھ پر گھٹا جارہا تھا اور زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو رہی تھی کہ میں نے ایک چلانے والے کی آواز سنی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا تھا، اے کعب بن مالکؓ! تمہیں بشارت ہو، آپؓ کہتے ہیں کہ (میں فوراً) سجدہ میں گر گیا اور میں پہچان گیا کہ کشادگی حال کا وقت آگیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کردیا تھا، لوگ ہمیں بشارت دینے کے لئے آنے لگے۔ اور میرے دو ساتھیوں کو بھی جا کر بشارت دینے لگے، ایک آدمی (حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہا) گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے، ادھر قبیلہ اسلم کا دوڑانے والا دوڑا اور اس نے پہاڑ پر

چڑھ کر آواز دی اور وہ آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی، جس کی آواز میں نے سنی تھی جب وہ میرے پاس بشارت دینے آئے تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں ان کو پہنا دیئے خدا کی قسم! اس دن ان دو کپڑوں کے سوا اور میری ملکیت میں کوئی چیز نہیں تھی، پھر میں نے ابو قتادہؓ سے دو کپڑے مانگ کر پہنے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا آیا، لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کرتے جاتے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر مبارک دیتے جاتے تھے کہتے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت تمہیں مبارک ہو، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا حضور اقدس ﷺ تشریف رکھتے تھے، آپؐ کے ارد گرد صحابہؓ تھے۔ طلحہ بن عبید اللہؓ دوڑتے ہوئے میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور مجھے مبارک باد دی، خدا کی قسم! (میرے آنے پر) ان کے سوا مہاجرین میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا، میں طلحہؓ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور اقدس ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا، چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا، اس بہترین دن کے لئے تمہیں بشارت ہو، جو تجھ پر گزرا جب سے تمہاری والدہ نے تمہیں جنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو چہرہ مبارک منور ہو جاتا تھا حتیٰ کہ ایسا لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو، ہم اس سے آپؐ کی خوشی کو سمجھ جاتے تھے، پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کی یا رسول اللہ! بے شک میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے صدقہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، میں نے عرض کی پھر میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں، میں نے پھر عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات بخشی ہے اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی وجہ سے (عہد کرتا ہوں کہ) سچ کے سوا اور کوئی بات نہیں کروں گا جب تک کہ میں زندہ رہوں گا پس خدا کی قسم ہے جب سے میں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات (عہد) ذکر کیا میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جسے اللہ تعالیٰ نے سچ

بولنے کی وجہ سے نوازا ہو جتنا مجھے نوازا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس (عہد) کا ذکر کیا پھر آج تک جھوٹ کا ارادہ بھی نہیں کیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے باقی زندگی میں بھی اس سے محفوظ رکھے گا، اور اللہ تعالیٰ نے (ہمارے متعلق) اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی ''لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَ الْمُهَاجِرِیْنَ (اس ارشاد تک) وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

پس خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اسلام کے لئے ہدایت کے بعد میری نظر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے اس سچ بولنے سے بڑھ کر اللہ کا مجھ پر اور کوئی انعام نہیں ہوا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور یوں اپنے آپ کو ہلاک نہیں کیا جبکہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو گئے، کیونکہ نزول وحی کے وقت جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے اتنی سخت وعید فرمائی جتنی سخت کسی دوسرے کے لئے نہیں فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ۔

یہ ارشاد:

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ۔ تک۔ (بخاری)

﴿حضرت عمر بن الخطابؓ کی شہادت﴾

عمرو بن میمون کہتے ہیں جس صبح کو آپؓ ایک مصیبت سے دو چار ہوئے میں اس روز اس طرح کھڑا تھا کہ میرے اور ان (حضرت عمرؓ) کے درمیان عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کوئی نہیں تھا، حضرت عمرؓ جب دو صفوں کے درمیان سے گزرتے تو فرماتے: سیدھے ہو جاؤ یہاں تک کہ جب آپؓ نے ان صفوں کے درمیان کوئی خلا نہیں دیکھا تو آگے بڑھے اور تکبیر کہی، آپؓ عموماً پہلی رکعت میں سورۃ یوسف یا سورۃ نحل وغیرہ پڑھتے تھے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں، ابھی آپؓ نے تکبیر ہی کہی تھی کہ میں نے آپؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: مجھے کتے نے قتل کر دیا یا (فرمایا) مجھے کتا کھا گیا جس وقت قاتل[1] نے ان کو خنجر مارا تو فوراً وہ کافر دو دھاری والا چھرا لے کر اس طرح دوڑا کہ دائیں اور بائیں جانب جس کے پاس سے بھی گزرتا اس کو زخمی کرتا جاتا، حتیٰ کہ اس نے تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا، جن میں سے سات افراد مر گئے، جب مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے اس پر کپڑا پھینکا تو جب اس کافر نے سمجھا کہ وہ پکڑا گیا ہے تو اس نے خود کو ذبح کر لیا، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو (امامت کے لئے) آگے کر دیا، جو حضرات، حضرت عمرؓ کے قریب تھے انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو میں نے دیکھا۔ اور جو لوگ مسجد کے اطراف میں تھے ان کو کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا، سوائے اس کے انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز کو گم پایا، اور وہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، کہہ رہے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں کو مختصر سی نماز پڑھائی، پس جب (نماز سے) سب

---

[1] یہاں مراد ابولؤلؤ ہے، جس کا نام فیروز تھا، وہ ایک مجوسی تھا

فارغ ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما! ذرا دیکھو! مجھے کس نے قتل کیا ہے؟ (راوی) کہتے ہیں کہ (ابن عباس نے) تھوڑی دیر چکر لگایا پھر آئے اور فرمایا، مغیرہ کے غلام نے (ایسا کیا ہے)۔ آپؓ نے پوچھا اس ماہر دست کار نے؟ (ابن عباسؓ) نے کہا جی ہاں (حضرت عمرؓ) نے فرمایا: اللہ اس کو مارے، میں نے اسے ایک نیک کام کا امر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری موت کسی اسلام کے دعویدار آدمی کے ہاتھ نہیں رکھی، تم اور تمہارے والد اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں (ایسے) کفار کثرت سے ہوں۔[1]

حضرت عباسؓ سب سے زیادہ نرم دل تھے، پھر ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اگر آپؓ چاہیں تو میں ایسا کر دیتا ہوں (یعنی اگر آپؓ چاہیں تو ہم قتل کر دیتے ہیں)، آپؓ نے فرمایا، تم نے جھوٹ کہا (یعنی تم سے خطا سرزد ہوئی) بعد اس کہ انہوں نے تمہاری زبان کے ساتھ بات کی اور تمہارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور تم جیسا حج کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر اٹھا کر لے جایا گیا، پس ہم بھی ان کے ساتھ چلے، (راوی) کہتے ہیں: ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس دن سے پہلے لوگ کسی مصیبت سے دوچار نہیں ہوئے (جس قدر اس دن ہوئے) کسی کہنے والے نے کہا فکر کی کوئی بات نہیں، اور کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا مجھے ان پر اندیشہ ہے پھر نبیذ لایا گیا آپؓ نے اس کو نوش کیا لیکن وہ فوراً ان کے پیٹ سے خارج ہو گیا پھر دودھ لایا گیا، آپؓ نے پیا مگر وہ بھی آپؓ کے پیٹ سے نکل گیا، لوگ سمجھ گئے کہ آپؓ فوت ہونے والے ہیں، پس ہم آپؓ کے پاس آئے لوگ بھی آئے اور آ کر آپؓ کی تعریف کرنے لگے، ایک جوان آدمی آیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! آپؓ کو بشارت ہو، اللہ کی دی ہوئی بشارت آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہے، اور اسلام میں تقدم، جو کہ آپؓ جانتے ہیں پھر آپؓ والی بنے اور پھر آپؓ نے عدل کیا اور پھر اب شہادت کا مقام مل رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ میں چاہتا

[1] حضرت عمرؓ اسلام کے مرکز اور دارالخلافہ میں فارس کے قیدیوں کی کثرت پسند نہیں فرماتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ان قیدیوں کے میل جول پر تنبیہ کرتے تھے۔

ہوں کہ یہ بطور کفایت ہو، نہ میرے خلاف ہو اور نہ میرے حق میں، پھر جب وہ شخص واپس چلا گیا تو اس کا ازار زمین کو لگ رہا تھا، آپؓ نے فرمایا اس لڑکے کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر فرمایا اے میرے بھتیجے! اپنا کپڑا اوپر کرو، کیونکہ یہ کام تیرے کپڑے کو زیادہ صاف رکھنے والا اور تیرے رب کے لئے زیادہ پرہیز گاری والا ہے، اے عبداللہ بن عمر! ذرا دیکھو! میرے ذمہ کتنا قرض ہے؟ پس لوگوں نے اس کا حساب کیا تو چھیاسی ہزار یا اس کے مثل پایا، آپؓ نے فرمایا اگر آل عمر کا مال اس کو پورا کردے تو ان ہی کے مال سے اس کو ادا کردو، ورنہ بنی عدی بن کعب (حضرت عمرؓ کا قبیلہ) سے پوچھ لینا اور اگر پھر بھی ان کے مال (پورے) نہ ہو تو پھر قریش سے معلوم کرلینا، ان کے سوا کسی اور کے پاس نہ جانا، پس تم میری طرف سے اس مال کو ادا کردو، اور حضرت عائشہؓ جو ام المؤمنین ہیں ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمرؓ آپؓ کو سلام کہہ رہے ہیں، یہ نہ کہنا کہ امیر المؤمنین ایسا کہہ رہے ہیں کیونکہ میں آج مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں، اور ان سے کہنا کہ عمر بن الخطابؓ اس بات کی اجازت مانگ رہے ہیں کہ کیا وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن ہوجائیں؟ چنانچہ آپ نے پہنچ کر سلام کہا اور پھر اندر آنے کی اجازت مانگی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو ان کو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں، پھر انہوں نے کہا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام عرض کررہے ہیں اور اجازت طلب کررہے ہیں کہ ان کو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں تو اپنی ذات کے لئے اس کی خواہش مند تھی لیکن آج میں اپنی ذات پر ان کو ترجیح دوں گی، پھر جب وہ واپس آئے تو کہا گیا کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ چنانچہ ایک آدمی نے ان کو سہارا دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: تیرے پاس کیا خبر ہے؟ انہوں نے (عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا، جو آپ پسند کرتے ہیں، اے امیر المؤمنین! انہوں نے اجازت دے دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ الحمد اللہ! کوئی چیز مجھے اس سے زیادہ اہم نہیں تھی، لہٰذا جب میرا انتقال

ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا، پھر سلام عرض کر کے ان سے کہنا، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت چاہتا ہے اگر میرے لئے وہ اجازت دے دیں تو مجھے اس میں داخل کرنا اور اگر رد کر دیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں واپس لے آنا، پھر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں، ان کے ساتھ اور عورتیں بھی چلی آ رہی تھیں، جب ہم نے ان کو دیکھا تو ہم اٹھ گئے، چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور تھوڑی دیر ان پر روئیں، مردوں نے اجازت طلب کی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کسی مکان میں داخل ہو گئیں، پھر ہم نے اندر سے ان عورتوں کے رونے کی آواز کو سنا، لوگ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! وصیت فرما دیجئے، اپنا جانشین بنا دیجئے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس جماعت کے مقابلہ میں اور کسی کو اس امرِ خلافت کا زیادہ حق دار نہیں پاتا جس جماعت سے رسول اللہ ﷺ وفات تک راضی رہے، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور فرمایا:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ موجود ہیں، (لیکن) اس امر (خلافت) میں ان کا کچھ حصہ نہیں، پس اگر امارت (حکومت) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہو جائے تو وہی امیر ہوں گے ورنہ تم میں سے جس کو امیر بنایا جائے وہ اس سے معاونت لے، کیونکہ میں نے نہ کسی عجز کی وجہ سے ان کو تسلی دی ہے اور نہ کسی خیانت کی وجہ سے۔ اور فرمایا میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مہاجرین اولین کے حق کو پہچانے اور ان کی حرمت کا تحفظ کرے اور میں اسے انصار کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ جنہوں نے (مسلمانوں) کو مدینہ میں جگہ دی اور (بہت سے) ان سے قبل ایمان لائے نیز ان کے نیک کاروں کی بات کو قبول کرے اور خطا کاروں کی خطا سے درگزر کرے، اور میں اس کو اہل شہر کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی وصیت کرتا

ہوں، کیونکہ وہ اسلام کے مددگار اور مال کے جمع کرنے والے اور دشمن کے لئے غیظ و غضب کا ذریعہ ہیں، اور یہ کہ ان سے ان کی خوشی سے صرف زائد چیز لی جائے، اور میں اس کو دیہاتیوں کیساتھ بھی نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ اصل عرب اور اسلام کی مدد کا باعث ہیں اور یہ کہ ان سے چھوٹے قسم کے مال (اونٹ وغیرہ) لئے جائیں، اور ان ہی کے ناداروں پر لوٹا دیئے جائیں، اور میں اس کو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی امان کی وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرے اور ان کے پیچھے جو لوگ ہوں ان سے قتال کرے اور ان کو اسی کام کا پابند کرے جو ان کی طاقت میں ہو، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ہم ان کو لے کر نکلے پس ہم چلتے جارہے تھے۔ (پہنچنے پر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حسب ارشاد) سلام کیا، اور عرض کیا کہ عمر بن الخطابؓ (اندر آنے کی) اجازت مانگتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، تم ان کو اندر لے آؤ، چنانچہ وہ اندر آئے اور وہاں اپنے دو صاحبوں کے ہمراہ رکھ دیئے گئے، جب دفن سے فراغت ہوئی تو وہ جماعت جمع ہوئی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم اپنے امور اپنے میں سے تین آدمیوں کو دیدو، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا، حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنا معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دیتا ہوں، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا، تم دونوں میں سے کون اس امر سے سبکدوش ہوتا ہے پس ہم اس کو اس کے سپرد کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان ہوگا، اور اسلام اپنی ذات میں لوگوں میں افضل کو ضرور دیکھے گا شیخین خاموش ہوگئے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تم اس کو میرے سپرد کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میری ذمہ داری ہے کہ میں تم میں سے افضل آدمی سے کوتاہی نہ کروں گا۔ ان دونوں نے کہا: جی ہاں چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ

ﷺ کی قرابت بھی حاصل ہے اور اسلام میں تقدم بھی، جیسا کہ آپ کے بھی علم میں ہے، پس اللہ آپؓ کا نگہبان ہے، اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور عدل کریں گے اور اگر میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بناؤں تو تم لوگ (ان کی بات) ضرور سنو گے اور (ان کا) کہا مانو گے، پھر انہوں نے دوسرے کے ساتھ خلوت کی اور ان سے بھی اسی طرح کی بات فرمائی، پھر جب انہوں نے عہد لے لیا تو پھر فرمایا، اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اپنا ہاتھ اٹھایئے پس انہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بھی) ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ کے لوگ بھی اندر آئے اور انہوں نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

﴿مومن کے اخلاق﴾

از حسن بصریؒ [1]

ایسا ناممکن ہے، ناممکن ہے، لوگوں کو ان کی آرزوؤں نے تباہ کردیا، قول ہے پر عمل نہیں، معرفت ہے پر صبر نہیں، ایمان ہے مگر یقین سے خالی، کیا بات ہے کہ میں مردوں کو تو دیکھتا ہوں اور ان میں عقلوں کو نہیں دیکھتا، آہٹ کو تو سنتا ہوں (مگر) میں کوئی مونس نہیں دیکھتا، لوگ (اسلام میں) داخل ہوئے خدا کی قسم! پھر (اس سے) خارج ہوگئے، پہچان کر پھر انکاری ہوگئے، حرام سمجھ کر پھر حلال سمجھ لیا، تم میں سے ہر شخص کے دین کا اثر (صرف) اس کی زبان میں رہ گیا ہے، جب پوچھا جائے کہ کیا تم حساب کے دن پر ایمان رکھتے ہو؟ کہتا ہے ہاں، جھوٹ کہتا ہے، روز جزا کے مالک کی قسم! مومن کے اخلاق میں سے یہ ہے کہ وہ (اپنے) دین کے معاملہ میں مضبوط، نرم خوئی میں محتاط، یقین کے ساتھ ایمان رکھنے والا، حلم کے ساتھ علم، علم کے ساتھ حلم، نرمی کے ساتھ فراست، فقر و

---

[1] آپؒ کی کنیت ابوسعید اور نام حسن بن ابی الحسن یسار البصری ہے۔ آپؒ کبار تابعین میں سے ہیں، آپ علم وزہد اور ورع وعبادت کے جامع ہیں، آپؒ کے والد ماجد، حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، اور والدہ خیرہ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ زوجہ نبی پاک ﷺ کی آزاد کردہ باندی تھیں، بسا اوقات اگر آپؒ کی والدہ کسی کام سے کہیں چلی جاتیں اور آپؒ حالت (شیر خوارگی) میں روتے تو ام سلمہؓ اپنی چھاتی ان کو بہلانے کے لئے دیتیں، یہاں تک کہ ان کی والدہ آتیں اور ان کو دودھ پلاتیں اور وہ دودھ پیتے، علماء کا خیال ہے کہ اسی کی برکت تھی کہ آپؒ کو حکمت وفصاحت کا اعلیٰ مرتبہ عطا ہوا۔ ابوعمرو بن علاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصریؒ اور حجاج بن یوسف الثقفی سے زیادہ فصیح شخص نہیں دیکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے زیادہ فصیح کون ہے؟ فرمایا: وہ حسنؒ ہیں حضرت حسنؒ بصری کی ولادت مدینہ میں ہوئی اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ آپؒ غلامی کی حالت میں پیدا ہوئے اور ماہ رجب ۱۱۰ھ کو بصرہ میں انتقال فرمایا۔

فاقہ کی حالت میں صابر، مال داری کی صورت میں اعتدال پسند، خرچ کرنے میں مہربان، مصیبت زدہ کے لئے باعث رحمت، حقوق کو ادا کرنے والا، استقامت میں انصاف کا خیال رکھنے والا ہوتا ہے، وہ ایسے آدمی پر ظلم وستم نہیں کرتا (جو اس سے) نفرت کرے اور اس شخص کی معاونت کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوتا جو محبت کرتا ہے، اور وہ نہ غیبت کرتا ہے، نہ طعن وتشنیع کرتا ہے، (نہ کسی کی) عیب جوئی کرتا ہے اور نہ فضول باتیں کرتا ہے اور نہ ہی لہو ولعب میں پڑتا ہے اور نہ چغل خوری کرتا ہے اور نہ ہی اس چیز کے پیچھے پڑتا ہے، جس میں اس کا کوئی حق نہیں، اور نہ اس حق سے انکاری ہوتا ہے جو اس کے ذمہ ہے، اور نہ عذر میں (حد سے) تجاوز کرتا ہے اور اگر کسی دوسرے پر کوئی مصیبت آپڑے تو (اس پر) خوش نہیں ہوتا، اور نہ ہی کسی معصیت سے مسرور ہوتا ہے جب وہ معصیت کسی دوسرے پر آجائے، مومن تو نماز کے اندر خشوع اختیار کرنے والا، رکوع کی طرف جلدی کرنے والا ہوتا ہے، اس کا قول شفاء ہے، اس کا صبر پرہیز گاری ہے، اس کی خاموشی فکر ہے۔ اس کی نظر عبرت ہے، وہ علم کے لئے علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے، اور ان کے درمیان سلامتی پانے کی خاطر خاموش رہتا ہے، اور وہ بات کرتا ہے تاکہ فائدہ اٹھائے، اگر نیکی کرتا ہے تو اس کا دل باغ باغ ہوجاتا ہے اور اگر بدی کرتا ہے تو معافی مانگتا ہے، اور اگر (کسی سے) ناراض ہوتا ہے تو اس کو راضی کرتا ہے۔ اور اگر اس پر نادانی کی جائے تو وہ بردباری اختیار کرتا ہے، اور اگر (اس پر) ظلم کیا جائے تو صبر کرتا ہے، اور اگر اس پر جبر کیا جائے تو وہ عدل وانصاف کرتا ہے، غیر اللہ سے پناہ نہیں مانگتا، اور اللہ سے ہی مدد مانگتا ہے، وہ مجلس میں باوقار، خلوت میں شکر گزار اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر قانع (قناعت پسند)، خوش حالی میں (خدا کی) تعریف کرنے والا اور مصیبت پر صبر کرنے والا ہوتا ہے، اگر غافلوں کے ساتھ بیٹھے تو ذکر کرنے والوں میں سے لکھا جائے اور اگر ذاکرین کے ہمراہ بیٹھے تو استغفار کرنے والوں میں سے لکھا جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یکے بعد دیگرے ایسے ہی تھے، بالآخر وہ اللہ تعالیٰ سے جاملے، نیز تمہارے سابقہ نیک مسلمان بھی ایسے ہی تھے، اور

تم نے خود اپنی حالت بدل دی ہے، پھر آپؒ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی:

'اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ، وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔

''واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جبتک وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت) کی حالت کو نہیں بدل دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا''۔

(سیرۃ الحسن البصری لعبدالرحمٰن ابن الجوزی)

﴿مخلص بھائی﴾

از ابن المقفع [1]

دریں اثناء کہ کوا اپنی گفتگو میں مشغول تھا کہ اچانک ان کی جانب ایک ہرن دوڑتا ہوا آیا، اس سے کچھوا سہم گیا اور فوراً پانی میں گھس گیا اور چوہا اپنے بل کی طرف (جانے کے لئے) نکلا، اور کوا اڑ گیا اور ایک درخت پر بیٹھ گیا، پھر وہ کوا آسمان پر منڈلایا تاکہ دیکھے کہ آیا اس ہرن کو کوئی ڈھونڈنے والا ہے؟ چنانچہ اس نے دیکھا تو اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئی، پھر اس نے چوہے اور کچھوے کو آواز دی، وہ دونوں باہر آئے، کچھوے نے ہرن سے کہا، جس وقت اس (کچھوے) نے اس کو دیکھا کہ وہ پانی کی طرف دیکھ رہا ہے، پانی پیو اگر آپ کو پیاس ہے؟ اور مت ڈرو، کیونکہ تجھ پر کوئی خوف نہیں، پس ہرن قریب ہوا، کچھوے نے اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو سلام کیا، اور اس سے کہا تم کہاں سے آئے ہو؟ (ہرن نے) کہا میں ان جنگلوں میں چرتا تھا پس تیر انداز مجھے مسلسل ایک جگہ سے دوسری جگہ بھگاتے حتیٰ کہ آج میں نے ایک شخص کو دیکھا مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ شکاری نہ ہو، اس نے (کچھوے نے) کہا مت ڈرو، کیونکہ ہم نے یہاں کبھی بھی کوئی

[1] آپ کا نام عبداللہ بن المقفع ہے آپ فارسی الاصل اور عربی انشاء پرداز تھے، فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں کامل دسترس رکھتے تھے، بنو امیہ کے دور میں ان سے لکھنے کا کام لیا گیا، آپ بنو عباس کے دور میں مسلمان ہوئے اور ۱۴۲ھ میں منصور کے دور میں قتل ہوئے۔ ابن المقفع عربی ادب و انشاء میں ایک امت کا درجہ رکھتے تھے، آپ لکھنے میں ایک خاص طریقہ کے مالک تھے جو طریقہ ان ہی سے معروف ہوا اور دوسروں نے ان سے اخذ کیا وہ طریقہ نہایت سہل اور طبیعت کے بالکل مطابق ہے، جس میں الفاظ تو کم سے کم استعمال ہوں لیکن معانی و مضامین سے بھرا ہوا ہو قلب اور جذبہ کے اس میں حصہ کم ہے مگر جہاں اخلاق کی تشکیل اور وجدان کو تعبیر کیا گیا ہے وہ مستثنیٰ ہے جیسے سچائی اور مروت۔

شکاری نہیں دیکھا، اور ہم اپنی محبت اور اپنی جگہ کو بانٹتے ہیں آسمان اور چراگاہ دونوں ہمارے پاس بہت زیادہ ہے پس تم ہمارے ساتھ رہنے میں دلچسپی پیدا کرو، چنانچہ وہ ہرن ان کے ساتھ ٹھہر گیا، اوران کے لئے ایک سایہ دار جگہ تھی جس میں وہ اکٹھے ہو جاتے اور مختلف خبروں اور باتوں کا تذکرہ کرتے، ایک دن کوا، چوہا اور کچھوا اس سایہ دار جگہ میں بیٹھے تھے کہ ہرن غائب ہو گیا، کچھ دیر سب نے اس کا انتظار کیا، مگر وہ نہ آیا، پس جب اس نے تاخیر کی تو ان (سب) کو خدشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی مشکل میں نہ پھنس گیا ہو، پس چوہے اور کچھوے نے کوے سے کہا، ذرا دیکھو! کیا تم ایسی چیز دیکھتے ہو جو ہمیں نرم کرے؟ چنانچہ وہ کوا آسمان پر منڈلایا، اس نے (ادھر ادھر) دیکھا تو (پتہ چلا کہ) ہرن جال میں شکار کیا ہوا ہے، پس وہ (کوا) جلدی سے نیچے کو آیا اور ان دونوں (چوہے اور کچھوے) کو اس کی خبر دی، کچھوے اور کوے نے چوہے سے کہا یہ ایک ایسی چیز ہے کہ تیرے علاوہ اور کسی سے امید نہیں کی جاسکتی، پس تو ہی اپنے بھائی کی مدد کر، پس چوہا جلدی سے دوڑا اور اس ہرن کے پاس آیا اور اس سے کہا، تو اس مصیبت میں کیسے گرفتار ہو گیا، حالانکہ تو عقلمند ہے؟ ہرن نے کہا، کیا تقدیر کے ہوتے ہوئے عقلمندی کام آسکتی ہے؟ دریں اثناء کہ وہ دونوں گفتگو میں مشغول تھے کہ اچانک ان کے پاس کچھوا بھی آپہنچا، ہرن نے اس سے کہا تو ہمارے پاس کس وجہ سے آپہنچا؟ اگر شکاری ہم تک آپہنچا تو (تو کیا کرے گا) چوہا تو جال کو کاٹ کر اس سے دوڑ میں آگے نکل جائے گا اور چوہے کے پاس بہت سے بل ہیں، (کسی میں جا گھسے گا) اور کوا اڑ لے گا تو تو بھاری ہے نہ تو دوڑ سکتا ہے اور نہ حرکت کرسکتا ہے، مجھے تیرے بارے میں شکاری کا اندیشہ ہے، اس نے کہا: دوستوں کی جدائی کے ساتھ کوئی زندگی نہیں، جب محب اپنے محبت سے جدا ہو جائے تو اس کا دل چھین لیا جاتا ہے اور اس کی خوشی حرام ہو جاتی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، کچھوے کی بات ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ شکاری اچانک آپہنچا، اور اس کو پکڑ لیا، چوہا خفیہ طور پر نکلا اور اس جال کو کاٹ دیا، جس سے وہ ہرن خود ہی بچ نکلا، اور کوا منڈلاتے ہوئے اڑ گیا اور چوہا کسی بل میں گھس گیا، کچھوے کے سوا اور کوئی نہ رہا، شکاری قریب ہوا تو اس نے اپنے

جال کو کاٹا ہوا پایا، اس نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھوے کے سوا اور کوئی نظر نہ آیا جو رینگ رہا تھا، پس اس نے اس کو پکڑا اور اس کو باندھ دیا، ابھی کوا، چوہا اور ہرن (ایک جگہ پر) جمع ہی ہوئے تھے کہ انہوں نے شکاری کو دیکھا کہ اس نے کچھوے کو باندھ دیا ہے تو ان کو شدید رنج ہوا، چوہے نے کہا، ہم مصیبت کی ایک گھاٹی پار نہیں کرتے، مگر اس سے زیادہ سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں، کسی کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے، انسان مسلسل اپنی اقبال مندی میں ہوتا ہے جب تک کہ ٹھوکر نہ کھائے (لیکن) جب ٹھوکر کھاتا ہے تو پھر اس لغزش میں ہی بڑھتا جاتا ہے اگرچہ ہموار زمین چلے، مجھے اس کچھوے کی جان کا اندیشہ ہے جو بہترین دوست ہے، جس کی دوستی نہ بدلہ لینے کے لئے ہے اور نہ بدلہ چاہنے کے لئے ہے، بلکہ اس کی دوستی عزت و شرف کی دوستی ہے، وہ ایسی دوستی ہے جو باپ کی اپنے بیٹے سے محبت سے بھی زیادہ بہتر ہے، جس کو موت ہی زائل کرسکتی ہے، اس جسم کے لئے افسوس ہے جس پر بلا و مصیبت مسلط ہے جو گردش و تغیر میں ہمیشہ رہتا ہے، اور اس کے لئے کوئی چیز دائمی نہیں ہے، اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ٹھہرتی جیسے طلوع ہونے والے ستاروں کے لئے طلوع دائمی نہیں اور نہ ہی غروب ہونے والے ستاروں کے لئے غروب دائمی ہوتا ہے۔ البتہ طلوع ہونے والے ستارے ہمیشہ غروب ہوتے ہیں اور غروب ہونے والے طلوع بھی ہوتے رہتے ہیں۔

نیز جیسے زخموں کی تکلیف اور زخموں کی شکستگی ہوتی ہے، یہی حال ہے اس کا جس کے جسم پر زخم ظاہر ہو جائے اس سبب سے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اکٹھے ہونے کے بعد ان کو مفقود پائے۔ ہرن اور کوے نے چوہے سے کہا کہ ہمارا (اس پر) خوف کرنا اور تمہارا خوف کرنا اور تمہارا اس طرح باتیں کرنا اگرچہ بلیغ ہے مگر یہ سب کچھ اس کچھوے کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے مصیبت کے وقت لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے، اور امانت داروں کا امتحان لینے اور دینے کا وقت ہوتا ہے اور مال و اولاد کا فقر و فاقہ کے وقت امتحان ہوتا ہے، اس طرح بھائیوں کی آزمائش مصائب پیش آنے پر ہوتی ہے، چوہے نے کہا کہ میں ایک تدبیر دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اے ہرن! تم

جاؤ اور شکاری کی نظر میں یوں گر پڑو جیسے تم زخمی ہو اور کوا تجھ پر یوں آ گرے، (بیٹھ جائے) جیسے وہ تجھے کھا رہا ہے اور میں دوڑتا ہوا آؤں گا اور اس شکاری کے قریب ہو جاؤں گا اور اس کی تاک میں رہوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود آلہ (تیر) پھینکے اور کچھوے کو وہیں رکھ کر تیری لالچ میں تیرا قصد کرے تجھے حاصل کرنے کی امید سے۔ پس جب وہ تیرے قریب آئے تو تم اس سے بھاگ نکلنا، مگر اس قدر کہ اس کی طمع تجھ سے ختم نہ ہو اور اس کو یکے بعد دیگرے اس بات کا موقع دینا کہ وہ تجھے پکڑ لے، حتیٰ کہ ہم سے دور ہوتے جانا اور حتیٰ المقدر اس کو اس جانب متوجہ رکھنا، کیونکہ مجھے امید ہے کہ وہ واپس نہیں لوٹے گا مگر میں کچھوے کا جال کاٹ دوں گا اور اس کو اس سے نجات دلاؤں گا، چنانچہ کوے اور ہرن نے ایسے ہی کیا جیسے ان کو چوہے نے حکم دیا تھا، شکاری ان دونوں کے پیچھے گیا، ہرن نے اس کو کھینچا حتیٰ کہ اس کو چوہے اور کچھوے سے دور کر دیا، چوہا جال کاٹنے میں لگ گیا یہاں تک کہ اس کو کاٹ دیا اور کچھوے کی جان بچالی شکاری تھکا ماندہ واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا جال کٹا ہوا ہے، وہ اس ہرن کے معاملہ میں متفکر ہوا جو لنگڑا بنا ہوا تھا، پس اس نے گمان کیا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور اس ہرن اور اس کوے کے متعلق سوچنے لگا جو کوا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کو کھا رہا ہے اور اس کا جال کاٹ دیا پس وہ اس زمین سے وحشت زدہ ہو گیا اور کہنے لگا یہ جنات کی زمین ہے یا ساحروں کی زمین ہے، پھر وہ اس طرح پیٹھ پھیر کر واپس چلا گیا کہ نہ کسی چیز کو تلاش کرتا تھا اور نہ کسی چیز کی طرف التفات کرتا تھا، اور کوا، ہرن، چوہا اور کچھوا اپنی سایہ دار جگہ میں پہلے سے زیادہ اچھی حالت میں امن وسلامتی کے ساتھ اکٹھے ہو گئے، جب یہ مخلوق اپنی کمزوری اور چھوٹے ہونے کے باوجود اپنی محبت، خلوص، قلبی مضبوطی اور ایک دوسرے ساتھیوں کو نفع رسانی کے سبب ہلاکت کے مقامات سے نجات دلا سکتی ہے تو انسان اس کا زیادہ لائق ومستحق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور تعلق داری کرے، جبکہ اس کو عقل وفہم عطا کیا گیا ہے اور اچھی بری بات الہام کی گئی ہے اور اس کو ان میں اور معرفت تمیز کی قوت بھی دی گئی ہے۔ پس یہ دوستی اور تعلق میں مخلص بھائیوں اور ان کے اتحاد کی مثال ہے۔ (کلیلۃ ودمنۃ ابن المقفع۔ فصل الحمامۃ المطوقۃ)

﴿زاہد کے اوصاف﴾

ازابن السماکؒ [۱]

جب داؤد الطائیؒ کا انتقال ہوا تو ابن السماکؒ نے کہا: اے لوگو! دنیا والوں نے دلوں کو مغموم کرنے، نفس کو رنج زدہ بنانے اور بدن کو تھکا دینے میں جلد بازی کی ہے حالانکہ حساب ہونے والا ہے، پس کسی چیز کی رغبت اپنے اہل کو دنیا و آخرت میں تھکا دیتی ہے، جبکہ زہد (بے رغبتی) اس کے اہل کے لئے دنیا و آخرت میں راحت کا سبب ہے، داؤد الطائیؒ نے اپنے سامنے پیش آنے والے حالات کو اپنے دل کی نظر سے دیکھ لیا تھا، پس ان کے دل کی بصارت (یعنی بصیرت) نے آنکھوں کی بصارت کو ڈھانپ لیا تھا۔ گویا انہوں نے اس چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں جس کی طرف تم دیکھتے ہو اور گویا کہ تم اس چیز کی طرف نہیں دیکھتے ہو جس کی طرف وہ دیکھتے تھے۔ پس تم ان سے متعجب اور وہ تم سے متعجب ہیں پس جب انہوں نے تمہیں دیکھا کہ تم (دنیا میں) رغبت رکھتے ہو، مغرور ہو، تمہاری عقلیں دنیا کی طرف متوجہ ہیں، دنیا کی محبت سے تمہارے دل (بھی) مردہ ہو چکے ہیں اور تمہارے نفس اس کے عاشق ہو گئے ہیں اور تمہاری نگاہیں اسی کی طرف مائل ہیں تو وہ زاہد تم سے وحشت زدہ ہو گئے اس لئے کہ وہ مردوں کے درمیان زندہ ہیں۔

اے داؤد! تمہاری حالت کتنی عجیب ہے، آپ نے اپنے نفس پر خاموشی لازم کر دی حتیٰ کہ آپ نے اس کو انصاف پر سیدھا کر دیا، آپ نے اس (نفس) کی توہین کی

---

[۱] آپؒ عابد و زاہد اور وعظ گو اور شیریں گفتگو کرنے والے تھے، امام احمد بن حنبل جیسے اکابر ان سے روایت کرتے ہیں، آپ کوفی ہیں، ہارون رشید کے زمانہ میں بغداد آئے اور ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے۔ پھر کوفہ واپس آ گئے اور ۱۸۳ھ میں کوفہ ہی میں وفات پائی (ابن خلکان)

جب کہ آپ اس کی عزت کو چاہتے تھے اور آپ نے اس کو ذلیل کیا جب کہ آپ اس کو عزت دینا چاہتے تھے اور آپ نے اس کو بے قدر کیا حالانکہ آپ خود اس کو شرف دینا چاہتے تھے اور آپ نے اس کو تھکا دیا جب کہ آپ اس کی راحت کے طالب تھے، اور آپ نے اس کو بھوکا رکھا حالانکہ آپ اس کو سیر کرنا چاہتے تھے اور آپ نے اس کو پیاسا رکھا جبکہ آپ اس کو سیراب کرنا چاہتے تھے اور آپ نے کھردرا لباس پہنا جبکہ آپ نرم لباس کو چاہتے تھے اور آپ نے بغیر سالن کے بدمزہ کھانا کھایا جبکہ آپ اچھا کھانا چاہتے تھے، اور آپ نے اپنے نفس کو مار دیا پہلے اس کے کہ آپ خود مرتے، اور اس کی قبر بنا دی پہلے اس کے کہ آپ کی قبر بنائی جاتی اور آپ نے اس کو عذاب دیا قبل اس کے کہ آپ کو عذاب دیا جاتا اور آپ نے اس کو لوگوں سے غائب کر دیا تاکہ آپ کا تذکرہ نہ ہو، اور آپ اپنے نفس کو لے کر دنیا سے آخرت کی طرف غائب ہو گئے، پس میں آپ کے بارے گمان نہیں کرتا مگر اس بات کا کہ آپ اپنے مقصود میں کامیاب ہو گئے ہیں آپ کا حسن آپ کے عمل اور آپ کے باطن میں تھا، آپ کا حسن آپ کے چہرہ میں نہیں تھا، آپ نے اپنے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی پھر لوگوں کو چھوڑا جو فتوی دیتے ہیں، اور آپ نے احادیث سنی پھر لوگوں کو چھوڑا جو حدیثیں بیان کرتے ہیں اور روایت کرتے ہیں، اور آپ بولنے سے گونگے ہوئے اور آپ نے لوگوں کو چھوڑا کہ وہ بولتے ہیں آپ نیک لوگوں سے حسد نہیں کرتے تھے اور آپ برے لوگوں میں عیب نہیں نکالتے تھے، اور آپ بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کرتے تھے اور نہ ہی بھائیوں سے ہدیہ لیتے تھے جب آپ اللہ کے ساتھ خلوت کرنے والے ہوتے تو آپ انس والے ہوتے اور جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تو متوحش ہوتے تو جو چیز آپ کے لئے وحشت زدہ ہوتی وہ لوگوں کے لئے زیادہ مانوس ہوتی اور جس سے آپ زیادہ مانوس ہوتے اس سے لوگ وحشت زدہ ہوتے اور آپ ان کے سفروں میں مسافروں کی حد کو پار کر گئے اور آپ قید خانوں میں قیدیوں کی حد سے آگے نکل گئے مسافر لوگ تو (اپنے ساتھ) کھانا اور میٹھی چیزیں اٹھاتے ہیں جس کو وہ کھائیں، لیکن آپ ایسے ہیں کہ صرف ایک روٹی یا دو روٹیاں پورے مہینے میں کھاتے تھے

جس کو اپنے پاس موجود ایک مٹکے میں ڈال دیتے تھے، جب آپ افطار کرتے تو اس سے اپنی ضرورت کے بقدر لے لیتے، پھر اس کو اپنے برتن (طہارت حاصل کرنے کا) میں ڈال کر اس پر پانی انڈیل دیتے جو آپ کے لئے کافی ہو جاتا، پھر آپ اس کے ساتھ نمک مل دیتے یہی آپ کا سالن اور حلوہ ہوتا، پس جو شخص آپ جیسے لوگوں کے بارے میں سنے گا تو آپ جیسا صبر کرے گا، اور آپ جیسا عزم کرے گا اور میں آپ کو گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں، اور میں آپ کو گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ دوسروں پر فوقیت لے گئے ہیں اور میں آپ کو خیال نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ نے عبادت کرنے والوں کو تھکا دیا ہے، قیدی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ (قید خانہ) میں قید ہیں پس وہ ان کی وجہ سے مانوس ہو جاتے ہیں (مگر) آپ نے اپنے نفس کو صرف اپنے گھر میں قید کر دیا پس (وہاں) نہ کوئی آپ کے ساتھ بات کرنے والا ہے اور نہ کوئی (ہم نشین) مجھے نہیں معلوم کہ کونسا معاملہ آپ کے لئے زیادہ سخت ہے، آیا اپنے گھر میں خلوت گزینی (اسی حال) میں مہینے اور سال گزرتے رہے یا آپ کا کھانا پینا ترک کر دینا؟ آپ کے دروازہ پر کوئی پردہ نہیں اور نہ آپ کے نیچے کوئی بستر ہے، اور نہ کوئی گھڑا ہے جس میں آپ کا پانی ٹھنڈا ہو، اور نہ کوئی پیالہ وغیرہ ہے جس میں آپ کا صبح و شام کا کھانا ہو، آپ کا لوٹا ہی آپ کا گھڑا ہے آپ کا پیالہ آپ کا چھوٹا سا برتن ہے، اے داؤد! آپ کی ہر بات عجیب ہے، کیا آپ کا جی ٹھنڈے پانی کو نہیں چاہتا تھا، اچھے کھانے کو نہیں چاہتا تھا اور نرم لباس کو نہیں چاہتا تھا، کیوں نہیں، لیکن آپ نے ان چیزوں سے بے رغبتی اس وجہ سے اختیار کی آپ کے سامنے وہ حالات آنے والے تھے، پس کس قدر چھوٹی ہے وہ چیز جو آپ نے صرف کی اور کتنی حقیر ہے وہ چیز جو آپ نے چھوڑی، اور کتنی آسان ہے وہ چیز جو آپ نے اپنی امید کے سلسلہ میں کی، بہر حال آپ دنیا کے معاملہ میں کامیاب ہوئے اور خدا کی قسم آخرت میں بھی سعادت مند ہوئے آپ اپنی زندگی میں شہرت سے الگ رہے تاکہ اس کا عجب آپ کے اندر نہ آجاتا اور اس کے فتنے آپ کو پیش نہ آجاتے (لیکن) جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کے رب نے آپ کی وفات (کی

خبر) کو مشہور کر دیا اور آپ کو آپ کے عمل کی چادر پہنادی پس اگر آج آپ اپنے متبعین
کی کثرت کو دیکھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے (پروردگار) نے آپ کا اکرام
کیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی)

سیدہ زبیدہ اور مامون کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ

سیدہ زبیدہ[1] کی طرف سے خط : اے امیر المؤمنین ! ہر گناہ خواہ وہ بڑا ہو لیکن آپ کے عفو و درگزر کے مقابلہ میں چھوٹا ہے، اور ہر لغزش اگر چہ بہت بڑی ہو مگر آپ کے درگزر کرنے کی نسبت حقیر ہے، یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو عادی بنایا، پس اس نے آپ کی مدت کو طویل کیا اور آپ کی نعمت کو پورا کیا، اور آپ پر خیر و بھلائی کو دوام بخشا، اور آپ سے شر کو اٹھایا، یہ ایک انتہائی غمگین عورت کا واقعہ ہے جو آپ کے بارے میں زندگی میں تو زمانہ کے مصائب کی امید کرتی ہے، اور مرنے کے وقت اچھے ذکر کی توقع رکھتی ہے پس اگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ میرے ضعف، میری عاجزی اور میری قلت تدبیر پر رحم کھائیں اور میرے ساتھ حسن سلوک کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب اور راغب ہوں تو ایسا کیجئے اور اس شخص کو یاد کریں جو اگر زندہ ہوتا تو آپ کے پاس میرا سفارشی ہوتا۔

مامون[2] کی طرف سے جواب : اے اماں! آپ کا رقعہ مجھے موصول ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے اور آپ کی حفاظت و نگرانی کا متولی ہو میں اس خط سے واقف ہو اور (خدا گواہ ہے) مجھے ان تمام باتوں نے غمگین کیا جس کی آپ نے اس میں وضاحت

---

[1] آپ کی کنیت ام جعفر اور نام زبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر منصور عباسی ہے، آپ امین محمد بن الرشید کی والدہ ہیں۔ آپ بڑی فاضلہ اور صاحب شرف و مقام تھیں، مسلمانوں کی بڑی محسنہ تھیں، نہر زبیدہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ آپ نے ۲۱۶ھ کو وفات پائی۔ آپ کا یہ خط مقام خلافت کے احترام کے ساتھ گہرے غم و حزن اور شاہی آداب کی عکاسی کرتا ہے اور انشاء تعبیر کی ایک بلیغ مثال ہے۔

[2] آپ کا نام و کنیت ابو العباس عبد اللہ المامون بن ہارون الرشید ہے۔ ۱۷۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی ۲۱۸ھ کو وفات ہوئی۔ آپ حزم و عزم حلم اور حمایت اور علم اور جامع الفضائل ہونے کی وجہ سے بنو عباس کے قابل فخر لوگوں میں سے ہیں لیکن آپ کی طبیعت میں احکامات کے نافذ کرنے میں سختی تھی۔

کی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ خدائی فیصلے نافذ العمل ہیں، اور احکامات لاگو ہیں، اور معاملات میں تو تصرف ہوگا اور تمام لوگ ان کو قبضہ میں لے کر ان کے دفاع پر قدرت و طاقت نہیں رکھتے، دنیا ساری پھوٹ کا شکار ہے، اور ہر زندہ آدمی موت کی جانب رواں ہے، غداری اور بغاوت انسان کی ہلاکت ہے، اور فریب اس کے صاحب کی طرف ہی لوٹے گا جو چیزیں آپ کی لی گئیں ہیں میں نے ان تمام چیزوں کے واپس کر دینے کا حکم دیدیا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف جا چکا ہے اس کو تو نے نہیں کھویا مگر اس کی ذات کو اور میں اس کے بعد اس سے زیادہ تیرے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔ (عصر المامون)

﴿باوقار قاضی اور دلیر بھڑ﴾

از جاحظ [1]

بصرہ میں ہمارا ایک قاضی تھا، جس کو عبداللہ بن سوار کہا جاتا تھا، لوگوں نے اتنا کوئی سنجیدہ ثابت قدم حاکم نہیں دیکھا اور نہ باوقار اور بردبار حاکم دیکھا جو اپنے نفس کو ضبط کر سکتا ہو اور اپنی حرکت کو قابو میں کر سکتا ہو، جس قدر اس کو اپنے نفس کو ضبط کرنے والا اور حرکت کو قابو میں کرنے والا دیکھا، وہ صبح کی نماز اپنے گھر میں پڑھتا تھا، اس کا گھر مسجد کے قریب تھا، پھر اپنی مجلس میں آتا اور حبوہ باندھتا (سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا اور ان کے ارد گرد دونوں ہاتھ باندھنا،) نہ وہ ٹیک لگاتا، پس وہ مسلسل ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا اس کا کوئی عضو حرکت نہ کرتا، اور نہ وہ ادھر ادھر دیکھتا اور نہ حبوہ کھولتا (یعنی جو کپڑا کمر اور گھٹنوں کے ارد گرد باندھا ہوتا اس کو نہ کھولتا) اور نہ ہی ایک ٹانگ کو دوسری پر اٹھا کر رکھتا اور نہ ہی کسی جانب (پہلو) کا سہارا لیتا، پس وہ برابر اسی حال میں رہتا حتیٰ کہ وہ نماز ظہر کے لئے اٹھتا، پھر اپنی مجلس میں واپس آجاتا، پھر اسی طرح مسلسل رہتا حتیٰ کے نماز عصر کے لئے اٹھتا، پھر اپنی مجلس میں واپس آجاتا، پھر وہ اسی حال میں مسلسل رہتا حتیٰ کہ نماز مغرب کے لئے اٹھتا پھر کبھی تو دوبارہ اپنی جائے نشست پر آجاتا بلکہ اکثر

[1] آپ ابوعثمان عمرو بن الحافظ ہیں۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم وفنون کو حاصل کیا، آپ نے تصنیف و تالیف کا بھی کام کیا۔ آپ ظاہری صورت کے اعتبار سے بدصورت اور باطنی لحاظ سے بہت اچھے تھے، حاضر جواب اور ذہن وفطین تھے، عقیدہ کے معتزلی تھے، لیکن انشاء پردازی میں عرب کے نابغہ روزگار تھے اور اس فن کے امام تھے، آپ کا کلام انشاء، سہیل الحصول اور جامع تھا۔ آپ کی مشہور کتابوں میں ''البیان والتبیان'' کتاب البخلاء کتاب الحیوان اور دیوان مسائل ہیں وفات ۲۵۵ھ کو ہوئی

اوقات وہ اسی طرح مجلس میں رہتا جب اس کے ذمہ کوئی دستاویزات، معاہدے اور شرائط میں سے کچھ باقی ہوتا، پھر عشاء کی نماز پڑھ کر واپس چلا جاتا۔

چنانچہ درست یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس طویل مدت اور دور حکومت میں ایک مرتبہ بھی وضو کے لئے نہیں اٹھا اور نہ اس کو اس کی ضرورت پڑی اور نہ اس نے پانی پیا اور نہ کچھ اور پینے کی کوئی چیز نوش کی۔

لمبے دنوں اور چھوٹے دنوں میں اس کی یہی حالت رہتی، اور گرمی اور سردی میں بھی وہ اس کے باوجود نہ ہاتھ ہلاتا اور نہ کوئی عضو اور نہ ہی اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرتا اور وہ نہیں تھا مگر بات کرتا تو اختصار کے ساتھ کرتا اور تھوڑی بات میں بڑے بڑے معانی بیان کر دیتا۔

وہ ایک دن اسی طرح بیٹھا تھا اور اس کے اصحاب اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اس کے سامنے دو صفوں میں تھے کہ ایک بھڑ آ کر اس کی ناک پر بیٹھ گئی پس وہ کافی دیر ٹھہری رہی، پھر اس نے جگہ بدلی اور اس کی آنکھ کے گوشہ پر بیٹھ گئی۔ پس اس بھڑ کے گوشہ چشم پر بیٹھنے پر اس نے صبر کا قصد کیا اور اس کے کاٹنے اور اپنی سونڈ چبھونے پر صبر کیا، جیسا کہ اس نے اس کے ناک پر بیٹھنے پر صبر کا قصد کیا بغیر اس کے کہ وہ اپنی ناک کا کنارہ ہلائے یا اپنے چہرے (ماتھے) پر شکن ڈالے یا اپنی انگلی سے اس کو ہٹائے پس جب اس بھڑ کو بیٹھے کافی دیر ہوگئی اور اس نے اس کو مشغول کر دیا اور اس کو تکلیف دی اور اس کو جلا دیا، اور اس نے ایسی جگہ کا قصد کر لیا جس سے تغافل نہیں برتا جا سکتا تو اس نے (اپنی آنکھ کی) اوپر والی پلک کو نیچے والی پلک کے ساتھ ملا کر بند کر لیا پھر بھی وہ نہیں اٹھی، پس اس چیز نے اس کو مجبور کیا کہ وہ لگاتار پلکیں بند کرے اور کھولے اس سے وہ اتنی دیر کے لئے ہٹتی کہ اس کی پلکوں کو سکون ہو جاتا پھر وہ دوبارہ پہلی مرتبہ سے زیادہ سخت انداز میں اس کی آنکھ کے کنارے پر آ گئی، اور اپنی سونڈ اس جگہ میں گھسائی جس جگہ میں وہ اس سے پہلے بھی اس کو تکلیف دے چکی تھی، پس اس کا برداشت کرنا کم ہو گیا، اور اس کا دوسری بار اس پر صبر کرنے سے عاجز آنا زیادہ قوی ہو گیا، پس اس نے اپنی پلکیں ہلائیں اور ان کو

زیادہ تیز حرکت دی، اور آنکھ کھولنے میں جما رہا، اور آنکھ کھولنے اور بند کرنے میں لگا رہا، پس (وہ بھڑ) اتنی دیر کے لئے ایک طرف ہوگئی جتنی دیر میں اس کی حرکت ختم ہوئی۔

پھر وہ اپنی جگہ دوبارہ آ کر بیٹھ گئی، پس وہ اس پر برابر اڑی رہی، حتیٰ کہ اس میں صبر کی طاقت نہ رہی اور اس نے (اس سلسلہ) میں اپنی پوری کوشش لگا دی، پس (اس نے اس کے سوا) اور کوئی چارہ نہ پایا کہ (وہ اس کو) اپنی آنکھوں سے اپنے ہاتھ کے ساتھ ہٹائے چنانچہ اس نے (ایسا ہی) کیا۔ لوگ اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے، گویا کہ (وہ لوگ) اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں، (جب اپنے ہاتھ سے اس کو ہٹایا) تو وہ اتنی دیر کے لئے اس سے ہٹ گئی جتنی دیر اس نے اپنے ہاتھ کو ہٹایا اور اس کی حرکت ختم ہوئی، وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی، پھر اس نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اس کو اپنے چہرہ سے اپنی آستین کے کنارے کے ساتھ ہٹائے، پھر اس نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ یہ عمل مسلسل کرے، اور اس کو معلوم ہوگیا کہ اس کا یہ سارا عمل ان لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے جو اس کے پاس موجود ہیں یعنی اس کے سیکرٹری حضرات اور دوسرے حاضرین کے سامنے۔

پس جب لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ (یہ بھڑ)، گبریلے سے زیادہ ضدی ہے اور کوے سے زیادہ مغرور ہے اس نے کہا اور میں اللہ سے مغفرت کا طلبگار ہوں پس وہ کس قدر زیادہ ہے جس کو اس کے نفس نے عجب (خود پسندی) میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کو اس کی کمزوری کی پہچان کرائے جو اس سے پوشیدہ تھی، اور تم جانتے ہو کہ میں اپنی ذات اور لوگوں کے نزدیک (تمام) لوگوں سے زیادہ سنجیدہ ہوں، پس مجھ پر غالب آ گئی اور مجھے رسوا کر دیا اس کی کمزور ترین مخلوق نے۔

پھر اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تلاوت کیا:

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ

''یعنی اگر ایک مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس چیز کو اس سے نہیں
چھڑا سکتے طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں''۔

وہ فصیح زبان تھا، فضول گفتگو بہت کم کرنے والا تھا اور اپنے ساتھیوں میں بارعب
تھا، اور وہ ان میں سے ایک تھا جس پر اس کی ذات کے متعلق طعن نہیں کیا گیا اور نہ وہ
اپنے ساتھیوں پر مطلب براری کے لئے تعریفیں (چوٹ لگانا) کرتے تھے۔

(کنوز الاجداد محمد کرد علی)

﴿سرخ قمیض﴾

از ابن عبدربہ[1]

دریں اثناء کہ منصور رات کے وقت خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا کہ اس نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا، اے اللہ! میں آپ کے سامنے زمین میں فساد اور ظلم و زیادتی کے پھیل جانے کی شکایت کرتا ہوں۔ اور اس (طمع) لالچ کی جو حق اور حق والوں کے درمیان حائل ہے، (یہ سن کر) منصور گھبرا گیا، اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گیا، اور اس آدمی کو بلا بھیجا، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور حجرا سود کو بوسہ دیا، اور وہ (اس) قاصد کے ساتھ آ گیا اور اس نے دربار خلافت میں آ کر سلام کیا، پھر منصور نے کہا وہ کیا بات ہے جو میں نے تجھ سے سنی کہ تم زمین میں فساد اور ظلم و زیادتی کے پھیل جانے کا ذکر کرتے تھے؟ اور وہ کیا طمع ہے جو حق اور اہل حق کے درمیان حائل ہے؟ پس خدا کی قسم! البتہ تحقیق تم نے میرے کان اتنے بھر دیئے کہ مجھے اس نے بیمار کر دیا، پس اس نے کہا اے امیر المؤمنین! اور اگر آپ میرے لئے جان کی امان دیں تو میں آپ کو اصل حقائق سے باخبر کروں گا، ورنہ میں آپ کو بتانے سے رکوں گا اور اپنی ذات پر اکتفاء کروں گا، پس میرے لئے اس میں مشغولیت ہے، انہوں نے کہا: پس تم اپنی جان پر امان والے ہو پس تم کہو، چنانچہ اس نے کہا اے امیر المؤمنین! بلاشبہ وہ شخص جس کے اندر طمع آ گئی ہے اور اس کے اور زمین میں ظلم و فساد پھیلنے کے درمیان جو حائل ہے وہ البتہ آپ ہیں، اس

(۱) آپ کا نام و کنیت ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ الاموی ہے، آپؒ اندلس کے بڑے انشاء پردازوں میں سے ہیں، اور عرب کے مایہ ناز مؤلفین میں سے ہیں آپؒ کی کتاب العقد الفرید (جس سے یہ مضمون سرخ قمیض، ماخوذ ہے) تاریخ و ادب کی نافع اور جلیل القدر کتابوں میں سے ایک ہے جو علم کثیر کو جامع ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۴۶ھ ہے اور وفات ۳۲۸ھ ہے۔

نے کہا وہ کیسے؟ تیرا ناس ہو، کیا میرے اندر طمع آئے گئی؟ جبکہ زرد اور سفید (سونا و چاندی) میرے قبضہ میں ہے اور شیریں اور تلخ چیز میرے پاس ہے؟ اس نے کہا کیا کسی میں وہ طمع داخل ہوگی جو آپ کے اندر داخل ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے بندوں کا اور ان کے اموال کا نگران بنایا ہے لیکن آپ نے ان کے معاملات سے غفلت برتی ہے، آپ نے ان کے اموال کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور آپ نے اپنے اور ان (لوگوں) کے درمیان چونے گچ اور اینٹوں کا ایک پردہ اور لوہے کے دروازے بنادیئے ہیں، اور ہتھیار سے لیس پہرے دار مقرر کر دیئے ہیں، پھر آپ نے اپنی ذات کو ان سے دور رکھا، اور آپ نے اپنے کارندوں کو (ان کے) مال کی وصولیاں اور ان کو جمع کرنے کے لئے بھیجا، اور آپ نے حکم دیا کہ آپ کے پاس مردوں میں سے کوئی نہ آنے پائے سوائے فلاں اور فلاں کے یعنی ایک گروہ کے سوا جن کو آپ نے نامزد کیا، اور آپ نے اپنے پاس نہ مظلوم کو اور نہ مصیبت زدہ کو اور نہ ہی برہنہ بھوکے شخص کو پہنچانے کا حکم دیا، اور نہ ہی کسی اور شخص کو مگر اس کے لئے اس مال میں حق ہو۔

لہٰذا جب اس گروہ نے آپ کو دیکھا جن کو آپ نے اپنی ذات کے لئے خالص بنالیا تھا اور جن کو آپ نے اپنی رعایا پر ترجیح دی تھی اور (جن کے متعلق) آپ نے حکم دیا تھا کہ ان کو آپ کے سامنے نہ روکا جائے کہ آپ اموال کو وصول اور جمع کرتے ہیں تو وہ کہنے لگے (جب) اس (آدمی) نے اللہ سے خیانت کی ہے تو ہم اس میں کیوں نہ خیانت کریں؟ پس انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ آپ تک لوگوں کے واقعات کا کچھ بھی علم نہ پہنچے مگر جس کا وہ ارادہ کریں اور کوئی کارندہ آپ کے لئے نہ نکلے مگر اس کو آپ کے سامنے خائن بنائیں، اور اس کو (اس سے) ہٹائیں تا کہ اس کا مرتبہ آپ کے سامنے ختم ہو۔ پس جب یہ بات آپ کے بارے میں اور ان کے بارے میں (لوگوں میں) پھیل گئی تو لوگوں نے ان کو بڑا جانا اور ان سے مرعوب ہوئے اور ان کو رشوت دینے لگے، تو سب سے پہلے آپ کے ان ہی کارندوں نے لوگوں سے مال و تحائف کے ذریعہ رشوت کا معاملہ کیا، تا کہ اس کے ذریعہ وہ آپ کی رعایا پر ظلم کی طاقت رکھ سکیں، پھر یہ معاملہ آپ کی رعایا میں

سے دولت و طاقت رکھنے والوں نے کیا تا کہ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں پر ظلم کرسکیں، پس اللہ کے شہر طمع کی وجہ ظلم وفساد اور زیادتی سے بھر گئے، اور یہ قوم آپ کی سلطنت میں آپ کی شریک کار ہوگئی اور آپ اس سے غافل رہے، پس اگر کوئی مظلوم شخص آتا ہے تو آپ کے اور اس کے درمیان یہ حائل ہوجاتے ہے، پس اگر وہ اپنا قصہ آپ کی موجودگی کے وقت آپ تک پہنچانا چاہتا ہے تو وہ آپ کو اس حال میں پاتا ہے کہ آپ نے اس سے منع کر دیا ہوا ہے اور آپ نے لوگوں کے لئے ایک ایسے آدمی کو کھڑا کر دیا ہے جو ان کے مظالم کو دیکھتا ہے، پس اگر وہ مظلوم آتا ہے اور آپ کے رازداروں کو اس کی خبر پہنچتی ہے تو وہ اس مظلوم آدمی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے ظلم کی داستان آپ تک نہ لے کر جائے، پس وہ مظلوم ہمیشہ اس کے پاس آتا جاتا ہے اور اس سے التجا کرتا ہے اور شکایت کرتا ہے اور مدد طلب کرتا ہے مگر وہ اس کو دھکے دیتا ہے، پھر جب اسے مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور نکال دیا جاتا ہے پھر آپ کے سامنے کوئی فریاد ظاہر ہوتی ہے تو اس کو سخت مارا جاتا ہے تا کہ دوسرے کے لئے عبرت کا ذریعہ بنے اور آپ دیکھ رہے ہوتے ہیں پس منع نہیں کرتے، پس اسلام کہاں رہا؟ اے امیر المؤمنین! مجھے چین کا سفر کرنا تھا پس ایک مرتبہ وہاں آیا تو پتہ چلا کہ ان کا بادشاہ اپنے کان کی تکلیف میں مبتلا ہے وہ ایک دن بہت رویا، اس کے پاس بیٹھنے والوں نے اس کو صبر کی ترغیب دی تو اس نے کہا: یاد رکھو! میں نازل ہونے والی مصیبت کی وجہ سے نہیں رو رہا، بلکہ میں اس مظلوم کی وجہ سے رو رہا ہوں جو دروازہ پر فریاد کرتا ہے پس میں اس کی آواز کو نہیں سنتا ہوں، پھر اس نے کہا یاد رکھو! میری سماعت ختم ہوئی ہے (مگر) میری بصارت ختم نہیں ہوئی، لوگوں میں اعلان کردو کہ سرخ کپڑا مظلوم کے سوا کوئی نہ پہنے، پھر وہ دن کے دونوں حصوں (صبح وشام) میں ہاتھی پر سوار ہوتا اور دیکھتا آیا کوئی مظلوم نظر آتا ہے؟ پس اے امیر المؤمنین! یہ (بادشاہ) تو خدا کے ساتھ شرک کرنے والا ہے جس کی رحمدلی مشرکین کے ساتھ اس قدر تھی، آپ تو خدا پر ایمان رکھنے والے ہیں، اس کے نبیؐ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ آپ کو آپ کے نفس کا بخل مسلمانوں کے ساتھ رحمدلی کرنے کے معاملہ میں مغلوب نہ کردے، پس اگر آپ

مال اپنی اولاد کے لئے جمع کر رہے ہیں تو اللہ نے آپ کو بچہ کی صورت میں عبرتیں دکھادی ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے اس حال میں باہر آتا ہے کہ اس کے لئے زمین پر کوئی مال نہیں ہوتا اور کوئی مال نہیں ہے مگر اس کے سامنے ایک ہاتھ ہے جو اس کو جمع کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ مسلسل اس بچہ پر لطف و کرم کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ لوگوں کی اس کی طرف رغبت بڑھتی ہے اور آپ وہ نہیں ہیں جو دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ پس اگر آپ کہیں کہ آپ سلطنت کی مضبوطی کے لئے مال اکٹھا کر رہے ہیں تو اللہ نے آپ کو بنو امیہ میں کئی عبرتیں دکھادی ہیں، نہ ان کو ان کا سونا جمع کرنا کام آیا اور نہ وہ آدمی، اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ جو انہوں نے تیار کر رکھے تھے، جس وقت اللہ نے ان کے ساتھ وہ ارادہ کیا جو ارادہ کیا اور اگر آپ کہیں کہ آپ مال اس حد کو حاصل کرنے کے لئے جمع کر رہے ہیں جو اس حد سے زیادہ بڑی ہے جس میں آپ ہیں تو خدا کی قسم! جس مقام میں آپ ہیں اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے مگر ایک ایسا رتبہ جو آپ نہیں پاسکتے مگر اس کے خلاف جس میں آپ ہیں۔ اے امیر المؤمنین! جو شخص آپ کی نافرمانی کرے تو کیا اس کو قتل سے زیادہ سخت سزا دی جاسکتی ہے؟ تو منصور نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا! تو آپ اس بادشاہت کے ساتھ کیا کر رہے ہیں جو آپ کو دنیا کے بادشاہ نے عطا کی ہے وہ تو اس کو جو اس کی نافرمانی کرتا ہے قتل کے ساتھ سزا نہیں دیتا، البتہ دردناک عذاب میں ہمیشگی کے ساتھ۔

تحقیق اس نے اس چیز کو دیکھ لیا ہے جس کا آپ کے دل نے تہیہ کیا اور جس کو آپ کے اعضاء نے کیا ہے اور جس کی طرف آپ کی آنکھ نے دیکھا ہے اور جس کا آپ کے ہاتھوں نے ارتکاب کیا ہے اور جس کی طرف آپ کی ٹانگیں چل کر گئیں، کیا آپ کو اس چیز نے فائدہ دیا جس پر آپ نے بخل کیا جب دنیا کا بادشاہ اس (بادشاہت) کو آپ کے ہاتھ سے چھین لے اور آپ کو حساب کے لئے بلائے؟ وہ کہتے ہیں، (یہ سن کر) منصور رونے لگا، پھر اس نے کہا: کاش کہ میں پیدا نہ کیا گیا ہوتا، تیرا ناس ہو، میں اپنی ذات کے لئے کس طرح تدبیر کروں گا؟ پس اس نے کہا اے امیر المؤمنین! بے شک

لوگوں کے سردار ہیں جن کے پاس جا کر وہ اپنے دین کے معاملہ میں سہارا لیتے ہیں اور اپنی دنیا کے معاملہ میں ان سے راضی ہوتے ہیں پس آپ ان کو اپنا ہم راز بنالیں، وہ آپ کی راہنمائی کریں گے اور آپ اپنے معاملہ میں ان سے مشاورت کریں وہ آپ کو راہ صواب بتائیں گے، اس نے کہا میں نے ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا تھا مگر وہ ڈر کر بھاگ گئے، اس نے کہا وہ آپ سے خوف زدہ ہوئے کہ آپ ان کو اپنے طریقہ پر ڈال دیں گے لیکن آپ اپنا دروازہ کھول دیں اور اپنے حجاب کو سہل بنادیں، مظلوم کی مدد کریں اور ظالم کو روکیں اور مال غنیمت اور صدقات جائز طریقہ پر لیں، اور ان کو ان کے اہل پر حق و انصاف کے ساتھ تقسیم کریں، اور میں ان کی طرف سے اس بات کا ضامن ہوں کہ وہ آپ کے پاس آئیں گے اور امت کی صلاح و بہتری میں آپ کی معاونت کریں گے (اتنے میں) اطلاع دینے والے آئے اور انہوں نے اس کو نماز کی اطلاع دی، پس اس نے نماز پڑھی اور (پھر) واپس اپنی مجلس میں آئے اور اس آدمی کو طلب کیا تو وہ نہ ملا۔

(العقد الفرید لابن عبدربہ)

حضرت معاویہؓ [1] اپنا دن کیسے گزارتے تھے

از مسعودیؒ [2]

حضرت معاویہؓ کے اخلاق میں سے یہ بات تھی کہ وہ دن ورات میں پانچ مرتبہ (لوگوں کو) اجازت دیتے تھے، آپؓ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو قصہ گوئی کے لئے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ اپنے قصوں سے فارغ ہوتے پھر اندر جاتے تو آپ کا قرآن شریف لایا جاتا آپ اس کا ایک حصہ پڑھتے، پھر اپنے گھر میں جاتے پس حکم دیتے اور منع کرتے، پھر چار رکعت نماز پڑھتے، پھر اپنی مجلس کی طرف نکلتے، پھر خاص الخواص حضرات کو اجازت دی جاتی، آپؓ ان سے بات چیت کرتے اور وہ آپؓ سے بات چیت کرتے اور آپؓ کی خدمت میں آپؓ کے وزراء آتے اور آپؓ سے ان امور میں گفتگو کرتے جو وہ صبح سے شام تک کے معاملہ میں چاہتے، پھر چھوٹا ناشتہ یعنی رات کے کھانے سے بچا ہوا حصہ لایا جاتا یعنی عمدہ بکری کے بچہ کا یا پرندے کے بچہ کا گوشت وغیرہ۔ پھر آپؓ کافی دیر تک گفتگو کرتے، پھر آپؓ اپنے گھر میں چلے جاتے جب چاہتے، پھر باہر آتے اور فرماتے: اے خادم! کرسی نکالو، پس مسجد کی طرف وہ لیجائی جاتی اور وہاں رکھ دی

---

[1] آپؓ کا نام معاویہ بن ابی سفیان ہے، آپ اصحاب رسولؐ اور کاتبان وحی میں سے ہیں، آپ نے اموی حکومت کی بنیاد رکھی، نیز آپ ان مایہ ناز اہل سیاست میں سے ہیں جنہوں نے جزیرہ کی سرزمین حاصل کی، حضرت عمرؓ ان کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے یہ عرب کے کسریٰ ہیں، آپ انتہائی باوقار، سنجیدہ اور سخی تھے، آپ کی بردباری ضرب المثل تھی، آپ اپنے بیس سالہ دور کے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں میں سے ایک تھے، آپ کی وفات ۶۰ھ کو ہوئی۔

[2] آپ کا نام وکنیت ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی ہے، آپ مشہور مؤرخ ہیں، بغداد میں نشو ونما پائی، اور کئی ملکوں کی سیاحت کرتے ہوئے ہند، چین اور مڈغاسکر تک پہنچے، وفات ۳۴۵ھ یا ۳۴۶ھ ہے۔

جاتی، پھر (وہاں) مقصورہ (کوٹھڑی) کے ساتھ اپنی کمر کو ٹیکتے، اور کرسی پر بیٹھ جاتے اور نوجوان کھڑے ہوتے، پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کمزور، دیہاتی، بچہ، عورت اور وہ شخص آگے بڑھتا جس کا کوئی نہ ہوتا، پس آپؓ کہتے: اس کی مدد کرو، اور (کوئی) کہتا، مجھ پر ظلم ہوا ہے، آپؓ کہتے: اس کے ساتھ (کسی کو) روانہ کرو، اور (کوئی) کہتا: میرے ساتھ بدسلوکی ہوئی ہے، آپؓ کہتے اس کے مسئلہ میں غور کرو، یہاں تک کہ جب کوئی نہ باقی رہتا تو آپؓ اندر چلے جاتے، اور تخت پر بیٹھ جاتے، پھر فرماتے، لوگوں کو ان کے درجات کے مطابق (اندر آنے کی) اجازت دو اور کوئی شخص مجھے سلام کا جواب دینے میں مشغول نہ کرے، پس کہا جاتا: اے امیر المؤمنین! (آپ نے) صبح کیسی کی، اللہ پاک آپ کی زندگی طویل کرے؟ آپؓ فرماتے: اللہ کی نعمت کے ساتھ پس جب وہ (لوگ) ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے تو آپؓ فرماتے: اے لوگو! تم اشراف نامزد کئے گئے اس لئے کہ تم نے اپنے سے کم درجہ لوگوں کو اس مجلس میں شرف (عزت) دیا، تم ہمارے سامنے ان لوگوں کی ضروریات پیش کرو جو ہم تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، پس ایک آدمی اٹھتا اور کہتا، فلاں شخص شہید ہو گیا ہے، آپؓ فرماتے: اس کی اولاد کے لئے (شاہی رجسٹر) میں (روزینہ) مقرر کردو، اور دوسرا کہتا: فلاں شخص اپنے گھر والوں سے غائب ہے، آپؓ فرماتے تم ان کی دیکھ بھال کرو، ان کو عطا کرو، ان کی ضروریات کو پورا کرو، ان کی خدمت کرو، پھر کھانا لایا جاتا اور کاتب حاضر ہوتا اور ان کے سر کے پاس کھڑا ہو جاتا اور ایک آدمی کے پاس آتے اور اس کو کہتے: دستر خواں پر بیٹھو، پس وہ بیٹھ جاتا اور دو یا تین لقمے کھاتا، جبکہ کاتب آپؓ کا حکم نامہ پڑھتا، پس آپؓ اس میں کسی امر کا حکم دیتے، پس کہا جاتا، اے اللہ کے بندے! تم اس کے بعد آؤ، پس وہ اٹھتے اور دوسرا آگے بڑھتا یہاں تک تمام حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے، بسا اوقات آپؓ کے پاس چالیس (کی تعداد میں) حاجت مند آتے یا اس کے قریب کھانے کی مقدار میں۔ پھر کھانا اٹھالیا جاتا اور لوگوں سے کہا جاتا: چلے جاؤ پس وہ لوٹ جاتے، پھر آپؓ اپنے گھر میں جاتے پس کوئی طمع کرنے والا اس میں طمع نہ کرتا، حتیٰ کہ ظہر کی اذان دی جاتی، پھر آپؓ نکلتے اور چار رکعت نماز پڑھتے، پھر بیٹھ جاتے، پس خاص الخواص حضرات کو اجازت دی جاتی، پس

اگر وقت سردیوں کا وقت ہوتا تو آپؒ ان کی خدمت میں حاجیوں کا زادراہ یعنی خشک حلوہ، خشک نان اور سفید آٹے میں دودھ اور شکر کے ساتھ گوندی ہوئی ٹکیاں، تہ بہ تہ کیک اور خشک میوے پیش کرتے، اور اگر گرمیوں کا زمانہ ہوتا تو ان کی خدمت میں تروتازہ پھل پیش کرتے، اور آپؒ کے پاس آپؒ کے وزراء آتے اور باقی دن کے (امور) کے لئے آپؒ سے مشورہ کرتے جن کی ان کو ضرورت ہوتی، اور آپؒ عصر تک بیٹھے رہتے، پھر نکلتے اور عصر کی نماز پڑھتے پھر اپنے گھر میں جاتے پس کوئی طمع باز اس میں طمع نہ کرتا، یہاں تک کہ جب عصر کے آخری وقت میں باہر آتے تو اپنے تخت پر بیٹھ جاتے اور لوگوں کو ان کے درجات کے اعتبار سے اجازت دی جاتی، پھر رات کا کھانا لایا جاتا، پس آپؒ اس سے اتنی دیر میں فارغ ہوتے جتنی دیر میں مغرب کی اذان دی جائے، اور آپؒ کے لئے حاجت مندوں کو نہ بلایا جاتا، پھر رات کا کھانا اٹھا لیا جاتا پھر مغرب کی اذان دی جاتی، آپؒ نکلتے اور مغرب کی نماز پڑھتے، پھر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے اور ہر رکعت میں پچاس آیتیں پڑھتے، کبھی بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی آہستہ آواز میں، پھر اپنے گھر چلے جاتے، پس کوئی طمع باز اس میں طمع نہ کرتا، یہاں تک کہ عشاء کی اذان دی جاتی، پھر آپ باہر آتے اور نماز پڑھتے پھر انتہائی خاص الخواص حضرات، وزراء اور حاشیہ نشینوں کو اجازت دی جاتی، پس وہ وزراء آپؒ سے مشورہ کرتے ان امور میں جس کا اس رات آپؒ ارادہ کرتے اور حکم صادر کرنا ہوتا، اور یہ (مجلس) رات کے تہائی حصہ تک جاری رہتی جو عرب کے حالات و واقعات اور عجم اور ان کے بادشاہوں اور ان کی لڑائیوں اور فریب کاریوں اور اپنی رعایا کے متعلق سیاست اور سابقہ امتوں کی خبروں کے لئے منعقد ہوتی، پھر آپؒ کے پاس آپؒ کی بیویوں کی طرف سے عجیب وغریب تحائف آتے، جیسے حلوہ اور دوسری کھانے کی عمدہ چیزیں، پھر آپؒ اندر تشریف لے جاتے اور رات کا تہائی حصہ سوتے پھر اٹھتے اور بیٹھ جاتے، پھر رجسٹر حاضر کئے جاتے جن میں بادشاہوں کی عادات اور ان کے واقعات اور لڑائیوں اور منصوبوں کا ذکر ہوتا۔ پس وہ آپؒ کے سامنے آپؒ کے باسلیقہ خدام پڑھتے، اور وہ (خدام) ان کی حفاظت اور ان کے پڑھنے پر مقرر ہیں، چنانچہ ہر رات واقعات و حالات اور آثار اور نوع بہ نوع سیاست کے متعلق جملے

آپؓ کے گوش گزار کئے جاتے، پھر باہر نکلتے اور صبح کی نماز پڑھتے، پھر لوٹ آتے اور وہی کام کرتے جس کا (پہلے) ہم نے ہر روز کے متعلق بیان کیا ہے۔

(مروج الذھب للمسعودی)

امام احمد بن حنبلؒ[1] کی استقامت اور کرامت

از ابن حبان البستیؒ[2]

ابن حبان البستیؒ، اسحاق بن احمد القطان البغدادی بتستر سے نقل کرتے ہیں کہ

1. آپ کا نام احمد بن حنبل بن ہلالؒ ہے اور کنیت ابو عبداللہ الشیبانی الذهلی ہے، آپؒ امام المسلمین ہیں آپ کی ولادت ربیع الاوّل کے مہینہ میں ۱۶۴ھ کو بغداد میں ہوئی۔ آپؒ کی زندگی صبر و قناعت میں گزری، بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ فرمایا، پھر علم حدیث کی طرف مکمل توجہ فرمائی اور اس کی خاطر بہت سے ملکوں کا سفر کیا، حجاز کے سفر میں امام شافعی سے ملاقات ہوئی، اور ان سے فقہ اور اصول فقہ حاصل کیا، اس کے بعد ان سے بغداد میں ملاقات ہوئی، آپؒ کی حدیث اور علم الروایۃ میں شان بلند ہوئی، یہاں تک امامت اور اجتہاد کے مقام پر فائز ہوئے، آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں، آپ نے تدریس اور فتویٰ کا کام بھی سرانجام دیا، لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپؒ کی مجلس میں بیٹھتی تھی، بڑے بڑے ائمہ کرام نے آپؒ سے علم حاصل کیا، جیسے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، اور امام ابوداؤدؒ وغیرہ۔ آپ زہد، قناعت، توکل، ورع، تواضع اخلاق حمیدہ اور بادشاہوں کے مالوں میں عدم دلچسپی کے معاملہ میں خدا تعالیٰ کی ایک نشانی تھے آپ معتصم کے دور میں معتزلی فتنہ کے سلسلہ میں سنت اور عقیدہ صحیحہ کے دفاع میں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے اور ایسی تکالیف میں مبتلا کئے گئے جو کسی اور کو نہیں دی گئیں، آپ نے بہادروں کی طرح ان پر صبر کیا، اور پہاڑوں کی طرح ثابت قدم رہے، پھر آپ متوکل کے زمانہ میں تکریم و تعظیم اور عطایا اور انعامات کی وجہ سے امتحان سے دوچار ہوئے، مگر آپؒ نے ربانیوں زاہدوں اور متوکلوں جیسی استقامت دکھائی، اور سنت کا دفاع کیا، علی بن المدینی جوان کے زمانہ میں ائمہ حدیث میں سے تھے فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارتداد کے وقت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعہ اس دین کو قوت بخشی اور آزمائش کے دن احمد بن حنبلؒ کے ذریعہ دین کی تقویت فرمائی قتیبہ کہتے ہیں: جب تم ایسے آدمی کو دیکھو جو احمد بن حنبلؒ سے محبت رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ صاحب سنت ہے۔ آپ کی وفات ۲۴۱ھ کو ہوئی ایک کثیر جماعت نے نماز جنازہ ادا کی۔
2. آپ عربی الاصل ہیں، آپ کا نام ابوحاتم محمد بن حبان البستی ہے، آپ بست (بجستان، غزنین اور ہراہ کے درمیان ایک شہر) میں پیدا ہوئے آپ سفر اور شیوخ کی وجہ سے کثیر الحدیث ہیں ایک ہزار شیوخ کے بارے لکھا، سمرقند کے قاضی رہے۔ پھر نسا میں بھی قاضی مقرر ہوئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

انہوں نے فرمایا: بغداد میں ہمارا ایک پڑوسی تھا، ہم اس کا نام طبیب القراء رکھتے تھے، وہ نیک لوگوں کو تلاش کیا کرتا تھا اوران کا خیال رکھا کرتا تھا، اس نے مجھ سے کہا: میں ایک دن امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ پریشان اور غمزدہ ہیں، میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا، خیر ہے، میں نے کہا (نہیں) خیر کے ساتھ کچھ تو ہے؟ (یعنی کوئی بات تو ہے) انہوں نے کہا میرا اس آزمائش میں امتحان لیا گیا یہاں تک کہ مجھے مارا گیا پھر انہوں نے میرا علاج معالجہ کیا اور میں ٹھیک ہوگیا مگر میری کمر میں ایک جگہ ایسی رہ گئی ہے جو مجھے تکلیف دیتی ہے، وہ میرے لئے اس مار سے زیادہ سخت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، آپ اپنی کمر سے (کپڑا) ہٹائیے، چنانچہ انہوں نے (اسے) ہٹادیا تو میں نے اس میں سوائے مار کے نشان کے کچھ نہیں دیکھا میں نے کہا: مجھے اس کی معرفت نہیں ہے، البتہ میں اس کے متعلق معلوم کروں گا، وہ کہتے ہیں، پھر میں ان کے پاس سے نکلا یہاں تک کہ میں جیل والے کے پاس آیا، اس کے اور میرے درمیان کچھ جان پہچان تھی، میں نے اس کو کہا: کیا میں کسی ضرورت سے جیل خانہ میں جاسکتا ہوں؟ اس نے کہا داخل ہوجاؤ، چنانچہ میں (جیل خانہ کے) اندر گیا اور اس کے نوجوانوں کو جمع کیا اور میرے پاس کچھ درہم تھے جو میں نے ان پر تقسیم کردیئے اور میں ان سے باتیں کرنے لگا یہاں تک کہ انہوں نے مجھے بھلادیا، پھر میں نے (ان سے) کہا: تم میں سے کس کو زیادہ مارا گیا ہے؟ وہ کہتے ہیں: پس وہ سب آپس میں فخر کرنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے اپنوں میں سے ایک شخص پر اتفاق کیا کہ یہ ایسا ہے جس کو سب سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) خلیفہ وقت نے ان پر کوئی الزام لگا کر ان کو قتل کرادیا، اس وقت عمر اسی سال کی تھی، بعض کہتے ہیں کہ آپ ۳۵۴ھ کو طبعی موت مرے، آپ متون اور اسانید کے عالم تھے، آپ لغت، فقہ، حدیث اور وعظ جیسے علوم کے ماہر تھے، آپ علم طب، نجوم اور کلام سے بھی واقف تھے، آپ کتب میں سے ''روضۃ العقلاء ونزھۃ الفضلاء'' مطبوع ہے، اور یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے اس واقعہ سے امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت، آپ کا صبر وضبط آپ کی رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے قرابت داروں سے محبت معلوم ہوتی، یہ مضمون فصیح عربی لغت کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اور ایک بلیغ تعبیر ہے جو تیسری صدی ہجری میں بغداد میں پھیلی ہوئی ہے۔

مارا گیا اور یہ ہی سب میں زیادہ صبر کرنے والا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے کہا میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں اس نے کہا: لایئے پوچھیئے! میں نے کہا: ایک بوڑھے کمزور شخص ہیں ان کا کام تمہارے کام کی طرح نہیں ہے، اور ان کو قتل کرنے کے لئے چند کوڑوں سے مارا گیا مگر وہ نہیں مرے، لوگوں نے ان کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گئے مگر ان کی کمر میں ایک جگہ ایسی ہے جو ان کو ایسی تکلیف دیتی ہے کہ ان کو اس پر صبر نہیں آتا، وہ کہتے ہیں (میری بات سن کر) وہ ہنسا، میں نے کہا: تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: جس نے ان کا علاج کیا تھا وہ ایک جولاہا تھا، میں نے کہا کیا بات کرتے ہو؟ اس نے کہا: اس نے ان کی کمر میں گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا چھوڑ دیا تھا جس کو اس نے نہیں نکالا، میں نے کہا: پھر کیا تدبیر ہو؟ اس نے کہا: ان کی کمر کو چیرا جائے اور وہ ٹکڑا لے کر پھینک دیا جائے، اور اگر تو نے اس کو رہنے دیا تو وہ ان کے دل تک پہنچ کے ان کو مار دے گا، وہ کہتے ہیں، پس میں جیل سے نکلا اور احمد بن حنبلؒ کے پاس آیا تو میں نے ان کو اسی حالت میں پایا، پھر میں نے ان کو سارا قصہ سنایا، وہ کہنے لگے: تو پھر اس کو کون چیرے گا؟ میں نے کہا: میں: انہوں نے کہا: کیا تو کرے گا؟ میں نے کہا: ہاں! وہ کہتے ہیں پھر وہ اٹھے اور گھر گئے پھر باہر آئے تو ان کے ہاتھوں میں دو سرہانے تھے اور کندھے پر تولیہ تھا، پھر انہوں نے ان میں سے ایک میرے لئے اور دوسرا اپنا لئے رکھا، پھر اس پر بیٹھ گئے، اور وہ کہتے ہیں میں اللہ کے سامنے گر گیا پھر میں نے ان کی کمر سے تولیہ ہٹایا اور میں نے کہا: مجھے درد والی جگہ دکھایئے! انہوں نے کہا؟ اپنی انگلی اس پر رکھو پھر میں تجھے وہ جگہ بتادوں گا، پس میں نے اپنی انگلی رکھی اور میں نے کہا: درد کی جگہ یہاں ہے؟ انہوں نے کہا یہاں ہے میں اللہ کی اس کی عافیت پر تعریف کرتا ہوں، میں نے کہا یہاں؟ انہوں نے کہا یہاں ہے میں اس کی عافیت پر اللہ کی تعریف کرتا ہوں، میں نے کہا: کیا یہاں ہے؟ انہوں نے کہا: یہاں ہے میں (اس کی) اللہ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں، وہ کہتے ہیں پھر مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ درد والی جگہ ہے، وہ کہتے ہیں پھر میں نے اس پر نشتر رکھا، پس جب انہوں نے نشتر کی حرارت کو محسوس کیا تو اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا، اور کہنے لگے: اے اللہ! معتصم کو معاف

فرمایہاں تک کہ میں نے اس کو چیر دیا، اور وہ بے جان ٹکڑا لیا اور اس کو پھینک دیا اور اس پر پٹی باندھ دی، اور وہ اپنے اس قول سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! معتصم کی بخشش فرما، وہ کہتے ہیں، پھر ان کو سکون ہوا اور آرام حاصل ہوا، پھر فرمایا، گویا کہ میں لٹکا ہوا تھا پھر نیچے اتار دیا گیا، میں نے کہا: اے ابو عبداللہ! جب لوگ کسی آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ ان کے خلاف بددعا کرتے ہیں جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہوتا ہے جب کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ معتصم کے لئے دعا کررہے تھے، فرمایا: میں نے اس بات میں غور کیا تھا جو تم کہتے ہو (لیکن) وہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد ہیں، پس میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ میں قیامت کے دن اس حال میں آؤں کہ میرے اور حضور اقدس ﷺ کے کسی قرابت دار کے درمیان جھگڑا ہو اور وہ میری طرف سے بری الذمہ ہے۔

﴿اشعب اور بخیل﴾

از ابوالفرج الاصفہانی [1]

اشعب [2] بیان کرتا ہے: عامر بن لوئی کی اولاد میں سے ایک آدمی مدینہ کا حاکم بنا، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ بخیل اور منحوس تھا، اور اللہ نے اس کو میری طرف راغب کردیا، وہ دن رات مجھے ڈھونڈتا پس اگر میں اس سے بھاگتا تو مجھ پر پولیس کا متولی دھاوا بول دیتا، اور اگر میں کسی جگہ پر ہوتا تو وہ اس کے پاس کسی کو بھیج دیتا جس کے ساتھ یا جس کے پاس میں ہوتا اور وہ مجھے اس سے طلب کرتا، پھر مجھ سے مطالبہ کرتا کہ میں اس کو بیان کروں اور یہ کہ میں اس کو ہنساؤں، پھر میں خاموش نہ ہوتا اور نہ سوتا، اور نہ وہ مجھے کھلاتا اور نہ مجھے کچھ دیتا، مجھے اس سے بڑی مشقت اور سخت مصیبت پہنچی، (حج) کا زمانہ آیا تو اس نے مجھ سے کہا: اے اشعب! تم میرے ساتھ ہوجاؤ، میں نے کہا: میرے ماں

---

[1] آپ کی کنیت اور نام ابوالفرج علی بن الحسین الاموی القرشی ہے، آپ علامہ، انشاء پرداز اور کتاب الاغانی کے مصنف ہیں، نیز آپ قصہ گو، ماہر انساب اور شاعر تھے، آپ کی کتاب الاغانی عربی ادب کا ایک عمدہ ذخیرہ ہے، اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو وافر مقدار میں ادب ضائع ہوجاتا، اور ہم اس شیریں اور خوبصورت عربی زبان سے محروم ہوجاتے جس زبان میں اہل لغت اپنے گھروں میں اور خوشی کے موقعوں میں تکلم کرتے ہیں، یہ کتاب اگرچہ ادبی فوائد اور لغوی ثمرات پر بھی مشتمل ہونے کے ساتھ زمانہ خیر القرون میں قائم شدہ اسلامی معاشرہ کی تصویر کشی کرتی ہے مگر یوں لگتا ہے جیسے اس میں فضول باتوں، بے ہودگی اور سامان تفریح کے سوا کچھ نہیں ہے، نیز بعض اوقات صاحب کتاب کی حسن نیت اور عقیدہ کی سلامتی مشکوک ہوتی نظر آتی ہے، آپ کی وفات ۳۵۶ھ کو بغداد میں ہوئی۔

[2] آپ زبیر کے بیٹے ہیں اور آپ کا نام شعیب اور کنیت ابوالعلاء ہے، آپ کی ولادت ۹ھ کو ہوئی مدینہ میں نشو ونما ہوئی آپ خوش الحال قراء میں سے ہیں۔ بڑے خوبرو اور صاحب عجائب تھے، اس کے ساتھ آپ انتہائی لالچی اور طلب وطمع میں ضرب المثل تھے، آپ کی طرف چند حکایات اور عجائبات منسوب ہیں۔

باپ آپ پر قربان ہوں، میں بیمار ہوں، اور میری حج کی نیت بھی نہیں ہے، تو اس نے کہا:
اس پر ہلاکت ہو اس پر ہلاکت ہو، اور کہا: بلاشبہ کعبہ آگ کا گھر ہے، اگر تو میرے ساتھ نہ
نکلا تو میں تجھے ضرور جیل میں اس وقت تک چھوڑ دوں گا جب تک کہ میں (واپس)
آجاؤں، پس میں اس کے ساتھ مجبور ہو کر نکلا، پس جب ہم ایک مقام پر ٹھہرے تو اس
نے (خود) کو ظاہر کیا کہ وہ روزے دار ہے اور وہ سو گیا یہاں تک کہ میں مصروف ہو گیا،
پھر اس نے وہ کھایا جو اس کے توشہ دان میں تھا اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ وہ مجھے دو روٹیاں
نمک سمیت کھلا دے، پس میں آیا اور میرا خیال یہی تھا کہ وہ روزے دار ہے اور میں برابر
مغرب کا انتظار کرتا رہا، میں اس کے انتظار کی توقع کرتا رہا، پس جب میں نے مغرب کی
نماز پڑھ لی تو میں نے اس کے خادم سے کہا، کھانے کا انتظار نہیں کیا جا رہا ہے؟ اس نے
کہا وہ تو ایک وقت سے کھا چکے ہیں، میں نے کہا، کیا وہ روزے دار نہیں تھے؟ اس نے کہا
نہیں میں نے کہا کیا پھر میں بھوکا رہوں گا؟ اس نے کہا اس نے آپ کے لئے وہ چیز تیار
کردی ہے جو آپ کھائیں گے پس آپ کھائیں اور اس نے میرے لئے دو روٹیاں اور
نمک نکالا، پس میں نے ان دونوں کو کھایا اور بھوک اور مردہ حالت میں رات گزاری، اور
میں نے صبح کی تو ہم چلے حتیٰ کہ ایک منزل پر اترے پس اس نے اپنے خادم سے کہا،
ہمارے لئے ایک درہم کا گوشت خریدو، پس اس نے وہ خریدا پھر اس نے کہا: میرے
لئے ٹکڑے کر کے کباب بناؤ، پس اس نے ایسا کیا، پھر اس نے اس کو کھایا اور ہنڈیا رکھ
دی پس (ہنڈیا) میں جوش آیا، اس نے کہا میرے لئے اس میں سے چند ٹکڑے نکال دو،
پس اس نے ایسا ہی کیا، پس اس نے وہ کھائے، پھر اس نے کہا اس (ہنڈیا) میں کوٹا ہوا
نمک ڈال دو، اور مجھے اس میں سے کھلاؤ، پس اس نے ایسا ہی کیا، پھر اس نے کہا اس
کے مصالحے ڈالو اور مجھے اس میں سے کھلاؤ، پس اس نے ایسا ہی کیا، اور میں بیٹھا اس کی
طرف دیکھ رہا تھا (مگر) وہ مجھے نہیں بلا رہا تھا، پس جب اس نے سارا گوشت صاف
کردیا، تو کہا، اے خادم! اشعب کو کھلاؤ، اور اس نے میری طرف دو روٹیاں پھینک دیں
پس میں ہنڈیاں کی طرف آیا تو دیکھا کہ اس میں شوربے اور ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں
ہے، پس میں نے وہ دو روٹیاں کھائیں اور اس نے اپنا تھیلہ نکالا جس میں خشک میوے

تھے پس اس نے اس میں سے مٹھی بھرلیا، پس اس کو کھالیا اور اس کی ہتھیلی میں ہتھیلی کے برابر چھلکوں سمیت بادام رہ گئے تھے اور اس میں اس کی کوئی تدبیر نہ چلی تو اس نے وہ میری طرف پھینک دیئے اور کہا اے اشعب! اس کو کھالو، پس میں اس میں سے ایک کو توڑنے لگا تو اچانک میری ڈاڑھ کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر میرے سامنے گر گیا، اور میں کسی پتھر کو ڈھونڈتے ہوئے دور چلا گیا تا کہ اس کے ساتھ (اس کو) توڑوں، پس میں نے (پتھر) پایا تو اس کے ساتھ بادام کو مارا تو وہ اچھل کر دور چلا گیا، اللہ جانتا ہے پتھر پھینکنے کی مقدار کو، اور میں اس کی تلاش میں دوڑا، پس اس دوران کہ میں اسی حالت میں تھا کہ اچانک بنو مصعب (یعنی ابن ثابت اور ان کے بھائی) سامنے نظر آئے جو وہاں بلند وادیوں میں ٹھہرے ہوئے تھے، پس میں نے ان کو زور سے آواز دی، مدد کرو، مدد کرو، خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور اے آل یاسر تمہاری پناہ مانگتا ہوں، مجھے اپنے ساتھ لے لو، مجھے اپنے ہمراہ لیجاؤ، پس وہ میری طرف تیزی سے دوڑے پس جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے، اے اشعب! تجھے کیا ہوا ہے؟ تیرا ناس ہو؟ میں نے کہا مجھے اپنے ساتھ لے لو، میری موت سے جان چھڑاؤ، چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کرلیا پس میں اپنے ہاتھ ہلانے لگا، جیسے پرندے کا بچہ کرتا ہے جب وہ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتا ہے، پھر انہوں نے کہا کہ تجھے کیا ہوا ہے، تیرا ناس ہو؟ میں نے کہا یہ وقت باتوں کا نہیں، مجھے اس میں سے کچھ کھانے کو دو جو تمہارے پاس ہے، پس تین دن سے تکلیف اور بھوک کی وجہ سے مر گیا ہوں، (وہ کہتے ہیں) پس انہوں نے مجھے کھلایا حتیٰ کہ میرا سانس واپس آیا اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ پالکی میں سوار کرلیا، پھر انہوں نے کہا ہمیں اپنا قصہ تو بتاؤ، پس میں نے ان کو (اپنا واقعہ) بیان کیا، اور میں نے ان کو اپنی ٹوٹی ہوئی ڈاڑھ (بھی) دکھائی پس وہ ہنسنے لگے اور تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے تیرا ستیاناس ہو، تو اس کے ہتھے کیسے چڑھ گیا؟ وہ تو خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل اور ذات کے اعتبار سے کمینہ ہے: پھر میں طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ میں مدینہ میں داخل نہیں ہوں گا جب تک اس کی وہاں سلطنت ہے، پس میں وہاں داخل نہیں ہوا حتیٰ کہ وہ معزول ہوا۔

﴿شکوہ بھرا خط﴾

از ابوبکر الخوارزمی[1]

میرا خط مصیبت سے ایسا نکلا جیسے تلوار صیقل ہو کر نکلتی ہے اور جیسے چودھویں رات کا چاند تاریکی سے نکلتا ہے، اور مجھ سے آزمائش دور ہوئی اور وہ ایسی جدا ہونے والی ہے (داغ مفارقت دینے والی ہے) کہ اس کی طرف اشتیاق نہیں کیا جاتا، اور اس نے مجھے چھوڑ دیا اور وہ ایسی چھوڑی ہوئی ہے کہ اس پر رویا نہیں جاتا، اور اللہ تعالیٰ کا ایسی آزمائش پر شکر ہے جس کو وہ دور کرتا ہے اور ایسی نعمت پر جو وہ عطا کرتا ہے اور جس کا وہ احسان کرتا ہے، میں کل گزشتہ اپنے سردار کے خط کا تسلی کے لئے اور آج کے دن مبارک بادی کے لئے منتظر تھا، لیکن انہوں نے نہ سختی کے دنوں میں مجھے خط لکھا کہ (غمناک دنوں) نے اس کو مغموم کیا ہے اور نہ آسانی کے دنوں میں کہ انہوں (خوشحالی کے دنوں) نے اس کو خوش کیا ہے اور میں نے اس کی طرف سے اپنے نفس کے سامنے عذر پیش کیا اور میں نے اس کے بارے اپنے دل سے جھگڑا کیا، پس میں نے کہا: بہر حال اس کا پہلی صورت میں کوتاہی کرنا تو یہ اس لئے کہ اس کے بارے کلام کرنے سے اس کو اہتمام نے مشغول رکھا اور بہر حال دوسری صورت میں اس کا تغافل اس لئے تھا

---

[1] آپ کی کنیت ابوبکر اور نام محمد بن العباس الخوارزمی ہے، آپ کی اصل طبرستان ہے، خوارزم میں پیدا ہوئے ۳۲۳ھ میں اور وہیں نشو ونما پائی: آپ ان ادباء میں سے تھے جنہوں نے ادب کے راستہ میں ہجرت کی اور مجاہدہ کیا آپ کا سیف الدولہ صاحب بن عباد اور عضد الدولہ کے ساتھ تعلق رہا، آپ ادب میں ایک سمندر تھے اور عرب کے اشعار، خلافت اور واقعات کے راوی تھے، نیز ماہر انساب، لغوی اور کلام عرب کے مناہج اور خواص تراکیب سے خوب واقف تھے۔ صرف آپ کے رسائل ہی شہرہ آفاق ہوئے۔ آپ کی وفات ۳۸۳ھ کو ہوئی۔

کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ وہ مجھ کو سابقہ مرتبہ ابتداء تک پورا دیں، اور خود پیروی کے مقام پر اکتفاء کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر اعتبار سے مجھ پر موقوف ہوں اور مجھے ہر رتبہ گھیرے ہوئے ہو، اگر میں نے اپنے سردار سے اچھی معذرت خواہی کی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ میرا حق احسان پہچانے، اور مجھے اس اچھائی کے ساتھ لکھے، اور اگر میں نے اچھائی نہیں کی تو وہ مجھے اپنے عذر کی خبر دے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اپنے راز کو جانتا ہے، اور اس کو چاہئے کہ مجھ سے راضی ہو کہ میں نے اس کے متعلق اپنے دل سے لڑائی کی ہے، اور اس کے گناہ سے معذرت کی ہے، حتیٰ کہ گویا وہ میرا قصور ہے، اور میں نے کہا: اے نفس! اپنے بھائی سے معذرت کر اور اس سے وہ لے لے جو وہ تجھے دے پس آج کے دن کے ساتھ کل کا دن ہے، اور واپس لوٹ آنا زیادہ قابل تعریف ہے۔ (رسائل ابی بکر الخوارزمی)

لوگوں کی گفتگو

ازابوحیان التوحیدی[1]

مجھ سے ان دنوں ایک صوفی بزرگ نے بیان کرتے ہوئے کہا: میں ۳۷۰ھ کو نیشاپور میں تھا، اور خراسان میں ایک فتنہ بھڑک اٹھا اور آل سامان کی حکومت ظلم و جور اور طویل مدت کی وجہ سے خراب ہوئی تو لشکر کے افسر محمد بن ابراہیم نے قابین میں پناہ لے لی، اور وہ قابین ان کا قلعہ اور ان کی پناہ گاہ تھی، اور آل سامان کے لشکر کے افسر ابوالعباس ، ایک بڑی جماعت، کثیر گروہ اور فاخرانہ زینت اور ظاہری ہیئت وصورت کے ساتھ نیشا پور میں آئے ، ریٹ بڑھ گئے، راستے پر خطر ہو گئے، سنسنی خیز خبریں زیادہ ہو گئیں، خیالات برے ہو گئے ، عوام چیخنے لگی، رائے مختلط ہوگئی، امیدیں ختم ہو گئیں ، ہر کونے سے ہر کتا بھونکنے لگا، ہر جھاڑی سے شیر دہاڑنے لگا، اور ہر لومڑی ہر بلند زمین سے بولنے لگی۔ وہ

---

[1] آپ کا نام علی بن محمد بن العباس التوحیدی ہے۔ آپ غالباً چوتھی صدی کے آخر میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور بغداد میں ہی پلے بڑھے، آپ نحو، لغت، شعر و ادب، فقہ اور معتزلہ کی رائے پر کلام کے ماہر تھے، آپ تنگی رزق میں مبتلا رہے، آپ بغداد میں ایک طویل عرصہ تک کاغذ فروشی یا کتب نویسی کے ذریعہ معاش حاصل کرتے رہے اور اپنے ہمعصر حضرات کی طرف سے ظلم و جور کا شکار رہے حتیٰ کہ آپ نے آخری عمر میں اپنی کتابیں اپنے زعم میں انہیں قلیل النفع خیال کرتے ہوئے جلا دیں نیز آپ کا گمان یہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد ان کی قدر پہچاننے والا کوئی نہیں ہے۔ استاد کرد علی کہتے ہیں: ابوحیان نے سوالات و جوابات، روایات، عملی تقاریر، وعظ و ارشاد اور تقریظ و تنقید، غرضیکہ سب کچھ لکھا، ہر ہر صفحہ آپ کی علمی بلندی اور اعلیٰ فہمی کی دلیل ہے جس نے آپ کو عظیم مؤلفین و ادباء میں شامل کر دیا، آپ کے دور میں علم و ادب کو چار چاند لگے، گویا آپ نے اس اسلوب کو برقرار رکھا جو قریب تھا کہ حافظ کی وفات سے ختم ہو جاتا، بلکہ آپ کی وجہ سے انشاء و ادب میں خوب ترقی ہوئی اور اس میں نکھار آیا، آپ کی مشہور ترین کتب الصداقۃ والصدیق، المقابسات، الامتاع والمؤانسۃ، البصائر والذخائر اور مثالب الوزیرین ہیں، آپ کی وفات شیراز میں ۴۱۴ھ کو ہوئی۔

کہتے ہیں: ہم غریب الوطن لوگ تھے، ہم صوفیاء کی خانقاہ میں ٹھکانہ کرتے ہم اس سے نہیں ہٹتے تھے، پس کبھی تو ہم علم سیکھتے، اور کبھی ہم نماز پڑھتے، اور کبھی ہم سو جاتے اور کبھی ہم فضول باتیں کرتے اور بھوک اپنا کام کرتی اور ہم آل سامان اوران کی طرف سے اس جگہ پر آنے والے شخص کے متعلق باتوں میں مشغول رہتے، راستوں کے بند ہونے، لوگوں کے (دوسرے) لوگوں کو اغوا کرنے، خوف مسلط ہونے اور رعب غالب ہونے کی وجہ سے ہمیں باہر چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں تھی، سارے شہر میں پوچھ گچھ، تعارف اور جھوٹی سچی دہشت انگیز خبروں کی آگ لگی ہوئی تھی، نیز خواہش نفس اور مصیبت پھیلی ہوئی تھی، پس ہمارے دل تنگ ہو گئے، اور ہمارے باطن گندے ہو گئے، وساوس ہم پر مسلط ہو گئے، ایک رات ہم نے کہا اے ہمارے ساتھیو! ان برے حالات سے نکلنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟ گویا کہ خدا کی قسم ہم نعمتوں والے اور جاگیروں والے ہوں کہ ہمیں ان کی لوٹ مار اور غارتگری کا خوف ہو۔ اور جو کچھ ہم پر تھا زید کی حکومت، عمرو کی معزولی، بکر کی ہلاکت اور انسانوں کی نجات میں سے ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ اس تنگ دنیا اور اس تھوڑی زندگی میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور بوسیدہ کپڑے کے ٹکڑے اور مسجد کے ایک گوشے پر خوش ہیں، اس کے ساتھ دنیا کے طلبگاروں کی مصیبتوں سے باعافیت بھی ہیں، ہم پر یہ باتیں طاری ہیں؟ (یعنی ہم کن باتوں میں لگ گئے ہیں) جن میں نہ ہماری کوئی اونٹنی ہے اور نہ اونٹ اور نہ کوئی حصہ اور نہ کوئی امید، پس کل ہمارے ساتھ اٹھو، تاکہ ہم ابوزکریا بزرگ کی زیارت کرنے جائیں اور ان ہی کے پاس ہم دن بھر رہیں اور جس میں ہم مبتلا ہیں اس سے توجہ ہٹائیں، ان ہی کے ساتھ ٹھہریں اور ان کی پیروی کریں، پس ہم سب کا اس رائے پر اتفاق ہو گیا، پس ہم صبح کو نکلے اور ابوزکریا بزرگ کے پاس پہنچ گئے، پس جب ہم اندر داخل ہوئے تو انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہم سے مل کر خوش ہوئے اور فرمایا: مجھے تم سے ملنے کا کس قدر اشتیاق تھا اور تم سے ملنے کی کس قدر مجھے حسرت تھی! اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اور تمہیں ایک جگہ میں اکٹھا کر دیا، مجھے تم وہ بات بتاؤ جو تم نے سنی ہے، اور تم تک لوگوں کی کیا خبریں پہنچی ہیں اور ان

بادشاہوں کے متعلق کیا خبریں ہیں؟ تم مجھے کھل کر بتاؤ، اور جو خبریں بھی تمہارے پاس ہیں وہ مجھ سے کہو، مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ، خدا کی قسم ان دنوں میرے لئے کوئی چراگاہ نہیں مگر جو ان (لوگوں) کی باتوں سے متصل ہو اور ان کی خبروں سے مقترن ہو، پس جب اس عابد زاہد شخص نے جو کچھ ہم سے کہنا تھا کہا تو ہم حیرت زدہ ہوگئے اور ہمیں وحشت محسوس ہوئی اور ہم نے اپنے دلوں میں کہا کہ دیکھو ہم کس وجہ سے بھاگے تھے اور کس چیز کے ساتھ وابستہ ہوگئے اور کس مصیبت میں گرفتار ہوگئے؟ (بے شک یہ صریح مصیبت ہے۔) ہمیں ابوعمرو بزرگ کے پاس لے جاؤ، پس ان کے لئے فضیلت اور عبادت وعلم ہے اور وہ اپنے عبادت خانہ میں خلوت گزین ہیں تاکہ ہم ان کے پاس دن کے آخر حصہ تک قیام کریں پس تحقیق پہلی جگہ ہمیں راس نہیں آئی، اور جس کام کا ہم نے عزم کیا تھا وہ ہمارا ارادہ رائیگاں گیا، پس ہم ابوعمرو بزرگ کی طرف چل دیئے اور ہم نے اجازت مانگی تو انہوں نے ہمیں اجازت دیدی اور ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ ہمارے آنے پر خوش ہوئے ہمارے دیکھنے کی وجہ سے ان کو خوشی ہوئی اور ہمارے ارادہ سے ان کا دل باغ باغ ہوا اور انہوں نے ہماری ملاقات کو عظیم سمجھا، پھر وہ کہنے لگے: اے ہمارے ساتھیو! تمہارے پاس لوگوں کی کیا خبریں ہیں؟ یقین جانو! خدا کی قسم! میری پیاس کس بات کو سننے کے لئے بڑھ گئی، آج میرے پاس کوئی نہیں آیا کہ اس سے حالات معلوم کروں بے شک میرے کان تو دروازے پر لگے رہے تاکہ میں دروازہ کی دستک سنوں یا مجھے کوئی واقعہ معلوم ہو، پس تمہارے پاس اور تمہارے ساتھ جو خبریں ہوں وہ بیان کرو اور تم مجھ سے اصل قصہ اور اس کی حقیقت ذکر کرو اور (اس میں) توریہ (اصل بات چھپانا) اور کنایہ کو چھوڑ دو اور ہر اچھی بری بات بتاؤ، کیونکہ اس طرح بات خوشگوار ہوتی ہے، اگر ہڈی نہ ہو تو گوشت خوش ذائقہ نہ ہوتا، اور اگر گٹھلی نہ ہو تو کھجور میں مٹھاس نہ ہوتی اور اگر چھلکا نہ ہو تو مغز موجود نہ ہوتا پس ہمیں اس دوسرے بزرگ (کی بات) سے اس سے زیادہ تعجب ہوا جو ہمیں پہلے بزرگ سے تعجب ہوا تھا، اور ہم نے ان سے بات اچک لی (خاموش ہوگئے) اور ہم نے ان کو چھوڑا اور ہم باہر نکل آئے اور بعض بعض کی طرف

متوجہ ہوکر کہنے لگے: کیا تم (سب) نے ہمارے معاملہ سے زیادہ عجیب اور ہماری حالت سے زیادہ غریب (کوئی معاملہ) دیکھا؟ دیکھو کس وجہ سے ہمارا ٹھہرنا تھا (بلاشبہ یہ عجیب چیز ہے) اور (کس لئے) ہمارا سرگرداں ہونا تھا اور کس لئے ہمارا بے وقوف بننا تھا؟ اور ہم نے کہا کہ اے ہمارے ساتھیو! ابوالحسن الضریر کے پاس چلو، اگر چہ ان کا گھر دور ہے (لیکن البتہ) ہمیں ان ہی کے پاس سکون ملے گا اور ہم اپنی گم شدہ چیز ان ہی کے پاس پائیں گے ان کے زہد، عبادت، خلوت گزینی اور اپنی ذات میں مشغولی کی وجہ سے اور ان کی بینائی میں دائمی بیماری اور پرہیز گاری اور دنیا اور دنیاوالوں کی کم فکری کی وجہ سے بھی۔ (چنانچہ) ہم نے فاصلے طے کئے اور ہم ان کے پاس پہنچے اور ہم ان کی مسجد میں ان کے اردگرد بیٹھ گئے، جب انہوں نے ہمارا سنا تو ہم میں سے ہر ہر فرد کے پاس آئے، اپنا ہاتھ اس سے ملاتے ہوئے اور اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اور اس کے لئے دعا کرتے ہوئے اور قریب کرتے ہوئے۔ پس جب آخر میں پہنچے تو ہماری طرف متوجہ کر کہنے لگے: کیا تم میرے پاس آسمان سے نازل ہوئے ہو؟ خدا کی قسم! ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے تمہاری وجہ سے اپنی آرزو کو پالیا اور میں نے اپنی خواہش کی انتہاء حاصل کرلی ہے، تم مجھ سے شرمائے بغیر کہو کہ تمہارے پاس لوگوں کی کیا خبریں ہیں؟ اور اس آنے والے شخص کے کیا عزائم ہیں؟ اور قاتین کی جانب بھاگنے والے کے متعلق کیا کہا جارہا ہے؟ اور کیا خبریں پھیلی ہوئی ہیں؟ اور وہ کیا باتیں ہیں جنہیں کچھ لوگ تو چپکے سے کررہے ہیں اور کچھ لوگ نہیں کررہے، اور تمہارے دلوں میں کیا خیالات آرہے ہیں؟ اور تمہارے ذہنوں میں گزررہے ہیں، کیونکہ تم آفاق عالم میں پھرنے والے، زمین پر بہت گھومنے والے اور (اِدھر اُدھر) سے باتیں خوب جمع کرنے والے ہو، اور تم تک اطراف سے ایسی باتیں پہنچتی ہیں جن کا حاصل کرنا بڑے بڑے بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ پس اس آدمی نے ہم سے ایسی بات کی جس نے پہلے اور دوسرے (بزرگوں) کو بھلادیا، اور جس چیز نے ہمارے تعجب میں اضافہ کیا وہ یہ تھی کہ ہم ان کو ایسے (طبقہ) میں شمار کرتے تھے جو طبقہ تمام لوگوں کے طبقوں (درجوں) سے اوپر ہے۔

پس ہم نے ان کے ساتھ بات کم کی اور ان کو چھوڑا اور ان کے پاس سے پیچھے ہٹے۔ اور ہم ان لوگوں سے اپنی ملاقات پر ملامت کرنے لگے کیونکہ ہم ان کے (حالات) دیکھ چکے تھے اور ہمارے سامنے ان کا حال ظاہر ہو چکا تھا، اور ہم نے ان کو حقیر سمجھا، اور ہم راستہ اختیار کرتے اور تھکے ماندے اپنی اسی منزل کی طرف رخ کرتے ہوئے واپس لوٹے جہاں سے صبح کو نکلے تھے، پس راستہ میں ہماری ملاقات ایک دانا بزرگ سے ہوئی، جن کو ابوالحسن العامری کہا جاتا تھا اور تصوف (کے موضوع) پر ان کی ایک کتاب ہے۔ آپ نے اس (تصوف) کو ہمارے علم اور ہمارے اشارات سے بھر دیا تھا۔

اور وہ ان گھومنے والوں میں سے تھے جنہوں نے ملکوں میں سیر کی اور بندوں میں خدا تعالیٰ کے اسرار پر مطلع ہوئے، پس انہوں نے ہم سے کہا، تم کہاں سے چلے اور کہاں کا ارادہ ہے؟ پس ہم نے ان کو مسجد میں بٹھایا اور ان کے اردگرد جمع ہو گئے، اور ہم نے ان کو شروع سے آخر تک سارا قصہ سنایا اور ہم نے اس (قصہ) سے ایک حرف بھی حذف نہیں کیا، پس انہوں نے اس تازہ صورتحال کے ضمن میں فرمایا: وہ ایک مخفی امر ہے جس پر تم واقف نہیں ہو اور ایک راز ہے جس تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی، اور تمہیں بزرگوں کے بارے تمہارے گمان نے دھوکہ میں ڈالا، تم نے کہا کہ یہ نامناسب ہے کہ ان کے حالات عام لوگوں کے حالات کی طرح ہوں، اس لئے کہ وہ خاص لوگ ہیں، بلکہ وہ اخص الخواص میں سے ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے لئے خواہشمند ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ سنبھلتے ہیں۔

ہم نے ان سے کہا: اے خیر کی تعلیم دینے والے! اگر آپ سمجھیں تو ہم سے اس پردہ کو ہٹا دیں اور اس آڑ کو اٹھا دیں اور جو مخفی امر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے وہ ہمیں بتا دیں تاکہ ہم شکر گزار ہوں اور آپ مشکور لوگوں میں سے ہوں، پس انہوں نے فرمایا، جی ہاں، بہر حال عام لوگ، وہ تو اپنے بڑے لوگوں اور سیاست دانوں کی باتوں کے شوقین ہوتے ہیں، کیونکہ انہیں آسودہ زندگی اور اچھی زندگی اور مالی وسعت اور منافع کی

فراوانی اور تجارتی سامان کے ملنے اور منڈی کے بڑھنے اور نفع کے اضافے کی امید ہوتی ہے، اور بہر حال یہ گروہ جو اللہ کی معرفت رکھنے والا اور خدا کے لئے عمل کرنے والا ہے، تو وہ بھی حکمرانوں اور بڑے بڑے جابروں کی باتوں کا گرویدہ ہوتا ہے تا کہ وہ ان میں خدا کی قدرت کے تصرفات اور ان پر خدائی احکام کے جاری ہونے اور ان پر نعمت کی حالت اور انتقام کے موقع پر ان کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور میں مشیت الٰہی کے نافذ ہونے سے واقف ہوسکے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ

"یعنی حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگتے ہیں جو ان کو دی گئیں تو ہم ان کو اچانک پکڑ لیتے ہیں پس وہ ناامید ہوجاتے ہیں۔"

اس لحاظ سے وہ اس کی حکمت کے اسرار معلوم کرتے ہیں اور اس کی پے در پے نعمت اور اس کے عذاب کے واقعات سے مطلع ہوتے ہیں۔

اور یہاں سے وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ کی بادشاہی کے سوا ہر بادشاہی ختم ہوجانے والی ہے، اور جنت کی نعمت کے سوا ہر نعمت متغیر ہونے والی ہے۔ اور یہ سب چیزیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کا اور خدا تعالیٰ سے پناہ کا اور خشوع کا اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا قوی سبب بن جاتی ہیں، اور اس وجہ سے وہ انکار کی سرکشی کو چھوڑ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور خواب غفلت سے بیدار ہوجاتے ہیں اور بھول اور بیکاری کی اونگھ سے بیداری کا سرمہ لگاتے ہیں، اور وہ سامان کو جمع کرکے اور توشہ کو کما کر معاد (آخرت) کو حاصل کرتے ہیں اور وہ اس پریشان کن جگہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے ان ناپسندیدہ امور کو بجالاتے ہیں (جو ناپسندیدہ امور) مصائب میں گھرے ہوئے ہیں جس میں کسی نے کامیابی حاصل نہیں کہ مگر بعد اس کے کہ وہ اس کو گرائے اور رخنہ ڈالے اور وہ اس سے بھاگے اور ایسی (جگہ) چلا جائے جہاں نہ کوئی بیماری ہو اور نہ کوئی فتنہ وفساد۔ اس جگہ کا باسی ہمیشہ رہنے والا اور اس کا رہائشی مطمئن ہو اور اس کو پانے والا نعمت یافتہ اور اس تک رسائی حاصل کرنے والا باعزت ہو، اور اس

صورتحال اور اس کے علاوہ حالت میں خاص اور عام لوگوں کے درمیان ایک فرق ہے جو اس شخص کے لئے واضح ہوتا ہے جس کی نگاہ کو اللہ نے اس کی طرف بلند کر دیا ہو اور اس پر راز کا دروازہ کھول دیا ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمی ایک کام میں ایک جیسے ہوتے ہیں جبکہ ان میں سے ایک مذموم (برا) اور دوسرا محمود (تعریف کے لائق) ہوتا ہے اور تحقیق ہم نے قبلہ کی جانب نماز پڑھنے والے کو دیکھا ہے جبکہ اس کا دل دوسرے کی آستین میں موجود چیز (مال) کے چرانے کی طرف ہوتا ہے پس تم ہر چیز میں اس کے ظاہر کو نہ دیکھا کرو، مگر بعد اس کے کہ تم اپنی نظر سے اس کے باطن تک پہنچ جاؤ، کیونکہ باطن جب ظاہر کے مطابق ہو تو وہ حد ہے اور جب وہ اس کو حصہ کی طرف لے جائے تو وہ وحدۃ ہے اور جب وہ اس کو باطل کی طرف لے جائے تو وہ ضلالت ہے اور یہ مقامات ان کے اصحاب کے لئے مرتب ہیں اور ان کے ارباب پر موقوف ہیں، اور نااہل کے لئے نہ اس میں نہ نفس ہے اور غیر مستحق کے لئے کوئی روشنی ہے۔

صوفی بزرگ نے کہا: پس خدا کی قسم! وہ دانا شخص ہمارے کانوں کو ان امور اور ان جیسی باتوں سے مسلسل بھرتا رہا اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے ہمارے دلوں کو بھرتا رہا یہاں تک ہم خوش ہو گئے اور ہم اپنی آرام گاہ کی طرف لوٹ آئے اس حال میں کہ ہم نے ناامید ہونے کے باوجود عظیم فائدہ حاصل کیا، اگر ہم بھاری مشقت اور طویل کوشش کی تمنا کرتے تو نفع ہمارے پاس ہوتا اور اضافہ ہمارے ہاتھوں میں ہوتا۔

(الامتاع والمؤانسۃ)

﴿سعادت اور یقین کی راہ میں﴾

از امام غزالی [۱]

میرے لئے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ آخرت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے میرے لئے تقویٰ کے سوا اور خواہش نفس سے رکنے کے علاوہ کوئی قابل خواہش چیز نہیں ہے۔ اور بلاشبہ ان سب کی بنیاد دھوکہ کے گھر سے پہلو تہی اور ہمیشہ کے گھر کی طرف رجوع کرنے اور جو ہر ہمت سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ دنیا سے دل کے تعلق کو قطع کرنا ہے، اور بے شک یہ سب کچھ مکمل نہیں ہوگا مگر مال وجاہ (منصب) سے اعراض اور مشاغل وتعلقات سے بھاگنے کے ساتھ، پھر میں نے اپنے حالات کو ملاحظہ (دیکھنا) کیا تو دیکھا کہ میں تعلقات میں گھسا ہوا ہوں اور چاروں طرف سے اس نے مجھے گھیر رکھا ہے، اور میں نے اپنے اعمال کو دیکھا اور سب سے اچھے عمل تدریس اور تعلیم کو دیکھا تو پتہ چلا کہ میں اس سلسلہ میں غیر اہم علوم کی طرف متوجہ ہوں جو آخرت کے راستہ میں فائدہ دینے والے نہیں ہیں، پھر میں نے تدریس میں اپنی نیت کے متعلق سوچا تو معلوم ہوا کہ وہ نیت خالص اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا سبب اور محرک

---

[۱] آپ کا نام وکنیت ابوحامد محمد بن محمد بن احمد الغزالی اور لقب حجۃ الاسلام زین الدین الطوسیؒ ہے، آپ ائمہ اسلام اور علم ودین کے اعلام میں سے ہیں، آپ کی پیدائش ۴۵۰ھ کو ہوئی، آپؒ نے اپنے شہر کے علماء سے کتابیں پڑھیں، نیز امام الحرمین سے کسب فیض کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں فارغ التحصیل ہو گئے اور آپ مجد وبزرگی کو پہنچے ہوئے تھے اور بغداد میں علمی ریاست آپ پر ختم ہوئی، بعد ازاں آپ تدریس سے کنارہ کش ہو گئے اور سعادت ویقین کی تلاش میں نکل پڑے حتی کہ اسے حاصل کیا، پھر عبادت وتربیت اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے پر زندگی وقف کر دی، آپ کی مشہور ترین کتاب احیاء العلوم الدین ہے، امام غزالیؒ کا طرز نگارش بڑا طبعی اور مؤثر قسم کا ہے، آپ کی وفات ۵۰۵ھ کو ہوئی۔

جاہ کی طلب اور شہرت کا پھیلنا ہے پس مجھے یقین ہو گیا اس کے بعد میں وادی کے اس کنارے پر ہوں جو نیچے سے کھوکھلی ہو اور میں جہنم کے کنارے پر آلگا ہوں اگر میں اپنے حالات کے تدارک میں مشغول نہ ہوں، پس میں برابر ایک عرصہ تک اس بارے میں سوچتا رہا اور میں اختیار کے مقام کے بعد ایک دن تو بغداد سے باہر نکلنے اور ان حالات سے علیحدگی اختیار کرنے کا عزم مصمم کرتا اور دوسرے دن اس عزم کو ترک کر دیتا اور اس کے لئے ایک پاؤں آگے بڑھاتا اور دوسرا پاؤں اس سے پیچھے کرتا، صبح کو میرے لئے آخرت کی طلب میں رغبت خالص نہ ہوتی مگر اس پر شہوت خواہش (نفس) کا لشکر ایسا حملہ کرتا جو پھر شام کو اس کو سست کر دیتا، پس دنیا کی خواہشات مجھے اپنے ہتھیار کے ساتھ ایک مقام کی طرف کھینچتیں اور ایمان کا منادی اعلان کرتا کوچ کرو کوچ کرو، اب عمر بھی تھوڑی رہ گئی ہے، اور تیرے سامنے طویل سفر ہے اور وہ تمام علم وعمل جس میں تم ہو وہ ریاکاری اور غرور ہے پس اگر تو آخرت کے لئے اب تیار نہیں ہوگا تو کب تیار ہوگا اور اگر تو ان تعلقات کو اب نہیں ختم کرے گا تو کب ختم کرے گا؟ اس کے بعد جذبہ ابھرتا اور ارادہ بھاگنے اور فرار ہونے پر پختہ ہوتا پھر شیطان لوٹ آتا اور کہتا یہ حالت عارضی ہے اور تو اس کا اثر قبول کرنے سے بچ، کیونکہ یہ جلد زائل ہو جانے والی ہے، اور اگر تو نے اس کا یقین کر لیا اور (اپنی) وسیع جاہ ومنزلت اور ایسی مرتب شان جو (زندگی کی) بدمزگی اور تلخی سے خالی ہو اور تسلیم شدہ مخالفوں کے جھگڑے سے صاف امر کو چھوڑ دیا تو کبھی تو تیرا نفس اس بات کی طرف متوجہ ہوگا اور تیرے لئے (کبھی یہ) کیفیات میسر نہیں آئیں گی، پس میں دنیا کی خواہشات اور آخرت کے جذبات کے درمیان چھ ماہ کے قریب برابر متردد رہا، جس کی ابتداء رجب ۴۸۸ھ میں ہوئی، اور جبکہ اس مہینہ میں معاملہ اختیار کی حد سے نکل کر اضطرار تک پہنچ گیا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میری زبان بند کر دی، یہاں تک کہ وہ (زبان) تدریس سے بند ہو گئی، پس میں اپنے نفس پر مجاہدہ کرتا کہ میں مختلف دلوں کو خوش کرنے کی خاطر ایک دن تدریس کروں، (لیکن) میری زبان ایک لفظ کے لئے بھی نہ چلتی اور میں اس کی بالکل طاقت نہ رکھتا، پھر زبان کی اس بندش نے دل میں حزن وغم پیدا

کردیا جس کے ساتھ قوت ہاضمہ اور کھانے پینے کی رغبت جاتی رہی، پھر پینے کی کوئی چیز میرے لئے خوشگوار نہ ہوتی اور نہ مجھے کوئی لقمہ ہضم ہوتا، اور یہ چیز قویٰ کی کمزوری تک متجاوز ہوگئی یہاں تک کہ اطباء نے علاج کے معاملہ میں اپنی امید ختم کردی اور کہا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو دل پر اتر چکا ہے اور وہاں سے مزاج تک سرایت کر گیا ہے پس اس کے علاج کی کوئی صورت نہیں ہے الا یہ کہ نازل شدہ مصیبت سے دل راحت پائے۔

پھر جب میں نے اپنی بے بسی کو محسوس کرلیا اور میرا اختیار بالکلیہ ختم ہوگیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی التجا کی جیسے کوئی بے قرار شخص التجاء کرتا ہے جس کے لئے کوئی تدبیر نہ ہو پس اس ذات نے میری التجا قبول کی جو بے قرار آدمی کی (پکار) قبول کرتا ہے جب وہ (بندہ) اس کو پکارتا ہے اور اس نے میرے دل پر جاہ و مال اور اولاد و اصحاب سے اعراض (بے رخی) آسان کردی اور میں نے مکہ کی طرف نکلنے کا عزم ظاہر کیا اور میں اپنے دل میں ملک شام کے سفر کا توریہ (اصل مقصد چھپانا) کر رہا تھا اس ڈر سے کہ خلیفہ وقت اور تمام احباب میرے شام میں قیام کے عزم پر مطلع ہوں پس میں نے بغداد سے نکلنے میں عمدہ تدبیروں کے ساتھ نرمی برتی اس عزم پر کہ میں یہاں کبھی واپس نہیں لوٹوں گا، اور میں تمام اہل عراق کے ائمہ کے لئے تنقید کا نشانہ بنا کیونکہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس بات کو جائز قرار دیتا کہ میں جس میں ہوں اس سے اعراض کرنا کوئی دینی سبب ہے اس لئے کہ انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ دین میں یہی اعلیٰ منصب ہے اور یہ ان کے علم کی انتہاء تھی پھر لوگ حقیقت معلوم کرنے کے سلسلہ میں حیران و سرگردان ہوئے، جو عراق سے دور تھے انہوں نے خیال کیا کہ یہ حاکموں کی طرف سے خوف محسوس کرنے کی وجہ سے ہے اور جو حکام کے قریب تھے وہ ان کا میرے ساتھ تعلق بنانے میں اصرار کا اور میری طرف متوجہ ہونے کا مشاہدہ کرتے تھے اور میرا ان سے اعراض اور ان کی باتوں سے عدم التفات دیکھتے تھے پس وہ کہتے کہ یہ کوئی آسمانی معاملہ ہے اس کا کوئی سبب نہیں ہے مگر یہ کہ اہل اسلام اور گروہ علم کو نظر لگ گئی ہے۔

میں بغداد سے جدا ہوا اور میں نے اس مال کو جو میرے پاس تھا تقسیم کردیا اور میں نے ذخیرہ نہیں کیا مگر بقدرِ کفایت اور بچوں کی خوراک کے بقدر اس رخصت پر عمل کرتے ہوئے کہ عراق کا حال (ان کے) مفادات کے لئے محفوظ کیا گیا ہے کیونکہ وہ

مسلمانوں پر وقف ہے۔ میں نے جہاں میں کوئی ایسا مال نہیں دیکھا جس کو عالم اپنے بال بچوں کے لئے لے جو اس سے زیادہ درست ہو، پھر میں ملک شام آیا اور یہاں دو سال کے قریب میں نے قیام کیا، (یہاں پر) میرا کوئی کام نہیں تھا سوائے گوشہ نشینی، تنہائی اور مجاہدہ اور ریاضت کے، میں نفس کے تزکیہ اور اخلاق کو مہذب کرنے اور دل کو ذکرِ خداوندی کے لئے خالص کرنے میں مشغول تھا۔ جیسا کہ میں نے اس کو صوفیاء کے علم سے حاصل کیا تھا، میں ایک مدت تک دمشق کی مسجد میں اعتکاف کرتا تھا، میں سارا دن مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا اور اپنے اوپر اس کا دروازہ بند کر دیتا، پھر میرے اندر فریضۂ حج کا داعیہ پیدا ہوا اور مکہ مدینہ اور زیارتِ خلیل علیہ السلام سے فارغ ہونے کے بعد زیارتِ رسول ﷺ سے استفادہ کا جذبہ ابھرا، پھر مجھے آرزوں اور بچوں کے پکارنے نے وطن کی جانب کھینچا پس میں وطن واپس لوٹا بعد اس کہ میں مخلوق سے بہت دور تھا وہاں واپس آنے تک، اور میں نے یہاں بھی خلوت گزینی اور ذکر کی خاطر قلب کی صفائی پر حرص و خواہش کرتے ہوئے عزلت (گوشہ نشینی) کو ترجیح دی۔ زمانہ کے حوادثات اور بال بچوں کے مسائل اور معاش کی ضروریات مقصود کے حصول کو بدل دیتی ہیں اور خلوت کی صفائی کو تشویس میں ڈال دیتی ہیں۔

میرے لئے حالت خالص نہ ہوتی مگر متفرق اوقات میں لیکن میں اس کے باوجود اس سے اپنی امید کو ختم نہیں کرتا تھا پس رکاوٹیں مجھے اس سے دور ہٹاتیں اور میں اس کی طرف لوٹتا اور میں اسی حال میں دس سال کے برابر ہمیشہ رہا اور ان خلوتوں کے دوران میرے لئے ایسے امور کھلے کہ ان کا شمار کرنا اور احاطہ کرنا ناممکن ہے اور وہ حالت جس کو میں ذکر کروں گا تا کہ اس کو اس سے نفع حاصل ہو وہ یہ ہے کہ میں نے یقین سے جان لیا کہ صرف صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کے رستہ پر چلنے والے ہیں، اور یہ کہ ان کی سیرت، سیرتوں میں سب سے اچھی اور ان کا راستہ راستوں میں سب سے زیادہ درست اور ان کے اخلاق، سب اخلاقیات میں سب سے زیادہ صاف ستھرے ہیں، بلکہ اگر تمام عقلمندوں کی عقل اور داناؤں کی دانائی اور علماء میں سے اسرار شریعت سے واقف کاروں کے علم کو جمع کر لیا جائے تا کہ وہ ان کی سیرتوں اور اخلاقیات میں سے کچھ حصہ کو بدل دیں اور اس کو اس چیز سے تبدیل کر دیں جو اس سے زیادہ بہتر ہو تو وہ اس کی طرف کوئی راستہ نہ

پائیں گے کیونکہ ان کی تمام حرکات وسکنات ان کے ظاہر اور باطن کے لحاظ سے مشکوٰۃ نبوت کے نور سے اخذ کردہ ہیں اور نورِ نبوت کے ورار وئے ارض پر ایسا کوئی نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔ (المنقذ من الضلال للغزالیؒ)

﴿سلطان صلاح الدین ایوبی[1] کی وفات﴾

از قاضی بہاء الدین المعروف بن شدادؒ[2]

اور جب ہفتہ کی رات ہوئی تو آپ نے بہت کاہلی کمزوری محسوس کی، پس (ابھی) رات آدھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کو صفراوی بخار نے آگھیرا جو آپ کے باطن میں ظاہر کی بہ نسبت زیادہ تھا، اور ہفتہ کے دن سولہ صفر ۵۸۹ء کو اس حال میں صبح کی کہ آپ پر سستی طاری تھی اور بخار کا اثر تھا اور آپ نے یہ بات لوگوں کے لئے ظاہر نہیں کی لیکن

---

[1] آپ کا نام وکنیت ابوالمظفر یوسف بن ایوب بن شاذی اور لقب ملک الناصر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام اور اہل اسلام کو تقویت دی اور عزت بخشی، اور صلیبیوں کے حملہ کو روکا اور بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضہ سے چھڑوایا جو نوے سال تک ان کے قبضہ میں رہا اور عبیدیوں سے مصر واپس کیا۔ علاوہ ازیں آپ کے بہت سے ایسے کارنامے ہیں جو خلفائے راشدین کے بعد شاید ہی کسی اور کو حاصل ہوں۔ آپ کی ولادت ۵۳۱ھ کو ہوئی اور وفات ۲۷ صفر ۵۸۹ء کو ہوئی ان کے حالاتِ زندگی کی تفصیل ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان میں ملاحظہ کریں۔

[2] آپ کا نام وکنیت ابوالمحاسن یوسف بن رافع ہے، آپ کی پیدائش موصل میں ۵۳۹ء کو ہوئی آپ نے علوم حدیث وتفسیر اور ادب میں استحکام پیدا کیا، آپ سلطان صلاح الدین کے مصاحب تھے، اور خواص میں سے تھے، سلطان نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے، اور سلطان نے آپ کو عسکر کا قاضی اور قدس کا حاکم بنایا، پھر سلطان کی وفات کے بعد آپ کا تعلق ملک ظاہر سے ہوگیا اور ان کے ہاں وزارت کے رتبہ پر فائز ہوئے اس کا سبب حلب میں بہت سے مدارس کا قیام تھا آپ نے سلطان صلاح الدین کی سیرت پر ایک کتاب ''النوادر السلطانیہ والمحاسن الیوسفیہ'' تالیف فرمائی جو کہ سلطان کے حالات، سیرت واخلاق پر بہترین کتاب ہے، جس کی عبارت بے غبار اور مربوط قسم کی ہے۔ آپ کی وفات ماہِ صفر ۶۳۷ء کو ہوئی۔

میں اور قاضی الفاضل[1] موجود تھے اور آپ کے بیٹے بادشاہ الافضل[2] بھی تشریف لائے اور ہمارا ان کے پاس بیٹھنا طویل ہو گیا اور وہ رات کی بے چینی کا شکوہ کرتے رہے اور ظہر کے قریب تک ان کو گفتگو اچھی لگی، پھر ہم واپس لوٹے اس حال میں کہ ہمارے دل ان ہی کے پاس تھے، پھر انہوں نے ہم سے الملک الافضل کی خدمت میں کھانے پر حاضر ہونے کی پیش کش کی۔ جبکہ قاضی کی یہ عادت نہیں تھی، پھر وہ چلے گئے اور میں محل میں داخل ہوا اور کھانا پیش کیا گیا تھا اور الملک الافضل ان کی جگہ پر بیٹھے تھے پس میں واپس لوٹا اور میرے لئے گھبراہٹ کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور جماعت روئی ان کے بیٹے کے ان کی جگہ پر بیٹھنے سے نیک فال لیتے ہوئے، پھر اس وقت ان کا مرض بڑھنے لگا اور ہم صبح و شام آنے جانے میں لگے رہے اور ان کے پاس آتے، میں اور قاضی دن میں کئی بار، اور وہ بعض دنوں میں راستہ دیتے جن دنوں میں وہ خفت محسوس کرتے اور مرض آپ کے سر میں تھا اور عمر کے ختم ہو جانے کی علامات میں سے ایک یہ تھی کہ جب آپ کی طبیعت سفر و حضر سے بھر گئی اور اطباء نے آپکو فصد لگانے کی رائے دی چنانچہ انہوں نے آپ کو چوتھے دن فصد لگائی پس آپکا مرض بڑھ گیا اور ان کے بدن کی رطوبتیں کم ہو گئیں اور آپ پر بہت زیادہ خشکی چھا رہی تھی اور مرض بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ آپ انتہائی کمزوری تک پہنچے اور تحقیق ہم آپ کے مرض کے چھٹے دن بیٹھے اور ہم نے ان کی کمر کو ایک تکیہ کے ساتھ ٹیک دی اور نیم گرم پانی لایا گیا تا کہ وہ اس کو دوائی کے پینے کے بعد پئیں طبیعت کو نرم کرنے کے لئے، پس آپ نے وہ (پانی) پیا تو اس کو سخت گرم پایا پس آپ نے اس کے سخت گرم ہونے کی شکایت کی اور آپ کو دوسرا پانی پیش کیا گیا پس آپ نے اس کے ٹھنڈے ہونے کی شکایت کی (لیکن) آپ نے نہ غصہ کیا اور نہ شور و

---

[1] آپ کا نام وغیرہ ابوعلی عبدالرحیم البیانی العسقلانیؒ ہے، آپ صلاح الدین ایوبیؒ کے وزیر اور وزیر مملکت اور راز دان تھے آپ کی وفات ۵۹۶ء کو ہوئی۔

[2] آپ ملک الافضل نور الدین علی ہیں آپ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے فرزند اکبر تھے والد کی وفات کے بعد دمشق اور اس سے منسوب دوسرے ملکوں پر آپ کی حکومت برقرار رہی۔

غل کیا، اور ان کلمات کے سوا کچھ نہیں کہا سبحان اللہ! کیا کسی کے لئے ممکن نہیں کہ پانی کو معتدل کرے؟ پس میں اور قاضی الفاضل ان کے پاس سے نکلے اور ہمارا رونا زیادہ ہو گیا تھا اور قاضی الفاضل مجھ سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو یہ اخلاق جن کو مسلمان چھوڑ دینے کے قریب پہنچ گئے ہیں خدا کی قسم! اگر یہ (تکلیف) کسی اور انسان کو ہوتی تو وہ ان کے سر پر پیالہ مار دیتا جو اس کے پاس موجود ہوتے، چھٹے اور ساتویں اور آٹھویں دن آپ کا مرض زیادہ ہو گیا اور برابر بڑھتا گیا اور آپ کا ذہن غائب ہو گیا (عقل و ہوش کھو بیٹھے) اور جب نواں دن ہوا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور کوئی مشروب لینے سے رک گئے، پس شہر میں خوف بڑھ گیا اور لوگ ڈر گئے اور انہوں نے بازاروں سے ضروریات کا سامان اٹھا لیا اور رنج و غم کی وجہ سے لوگوں پر غشی طاری ہو گئی جس کو بیان کرنا ناممکن ہے، اور البتہ میں قاضی الفاضل، ہم لوگ ہر رات بیٹھے رہتے یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ یا اس کے قریب گزر جاتا پھر ہم گھر کے دروازے پر حاضر ہوتے پس اگر ہم راستہ پاتے تو اندر چلے جاتے اور ان کو دیکھتے اور واپس آجاتے ورنہ وہ (لوگ) ہمیں ان کے حالات سے واقف کر دیتے اور ہم لوگوں کو پاتے کہ وہ ہمارے باہر آنے کے منتظر رہتے یہاں تک کہ وہ ہم سے ملاقات کرتے حتیٰ کہ وہ ہمارے چہروں کی سطح سے ان کے احوال معلوم کر لیتے اور جب آپ کے مرض کا دسواں دن ہوا تو آپکو دو مرتبہ حقنہ کیا گیا، (جسکی وجہ سے) آپ کو کچھ ہلکا پن حاصل ہوا اور آپ نے جو کا پانی لیا اچھی مقدار میں، اور لوگ بہت زیادہ خوش ہوئے، پس ہم نے اپنی عادت کے مطابق اتنا قیام کیا کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا پھر ہم گھر کی طرف آئے تو ہم نے جمال الدولہ اقبال کو پایا پس ہم نے اس سے نئی صورتِ حال معلوم کرنا چاہی تو وہ اندر گئے اور ملکِ معظم تو ران شاہ[1] اللہ تعالیٰ ان کی حالت درست کرے کے ساتھ ہمارے پاس یہ خبر لائے کہ پسینہ ان کی پنڈلیوں میں آنا شروع ہو گیا ہے پس ہم نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہم نے اس سے چاہا

[1] آپ ملک معظم شمس الدولہ فخر الدین بن نجم الدین ایوب شاذی ہیں آپ صلاح الدین ایوبیؒ کے بھائی ہیں آپ کی وفات ۵۷۶ھ کو ہوئی۔

کہ وہ اس کے باقی آثار دیکھیں اور اس پسینہ کے بارے ان کا حال ہمیں بتائیں پس انہوں نے ان کا جائزہ لیا پھر ہماری طرف نکلے اور ذکر کیا کہ پسینہ بہت آرہا ہے اور ہم واپس لوٹے کہ ہمارے دل خوش تھے، پھر ہم نے ان کے مرض کے گیارہویں دن صبح کو جو کہ چھبیس صفر بنتی تھی پس ہم دروازہ پر حاضر ہوئے اور ہم نے احوال کے بارے دریافت کیا پس ہمیں خبر دی گئی کہ پسینہ اس قدر زیادہ نکل رہا ہے کہ بستر میں سرایت کر گیا ہے پھر چٹائی میں پہنچ کر (نیچے) زمین تک اس (پسینہ سے) اثر انداز ہوئی ہے (یعنی اتنا زیادہ پسینہ نکل رہا ہے کہ بستر سے ہوتا ہوا فرش پر ٹپک رہا ہے) اور خشکی بہت بڑھتی ہی جارہی ہے اور طبیب حضرات اس کے باوجود (آپکے جسم میں) توانائی موجود ہونے پر حیران ہوئے اور جب ستائیس صفر بدھ کی رات ہوئی جو کہ آپ کے مرض کا بارہواں دن بنتا ہے تو آپ کا مرض بڑھ گیا اور آپ کی قوت کمزور ہوگئی اور معاملہ اپنی پہلی حالت میں واقع ہو گیا اور ہمارے اور ان کے درمیان عورتیں حائل ہوگئیں، اور میں اور قاضی فاضل اور ابن الزکی[1] اس رات حاضر ہوئے حالانکہ اس وقت میں ان کی عادت حاضر ہونے کی نہیں تھی اور ہمارے درمیان بادشاہ افضل حاضر ہوئے اور حکم دیا کہ ہم (لوگ) ان کے پاس رات گزاریں مگر قاضی فاضل نے اس بات کو مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ لوگ قلعہ سے ہمارے نیچے آنے کا انتظار کررہے تھے پس انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نیچے نہ اترے تو کہیں شہر میں آواز لگ جائے اور ہوسکتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹیں پس انہوں نے ہمارے نیچے اترنے اور شیخ ابو جعفر جو کلاسہ[2] کے امام تھے ان کی (یہاں) طلبی میں ہی مصلحت (بہتری) سمجھی وہ ایک نیک آدمی تھے تاکہ وہ قلعہ میں رات بسر کریں! یہاں تک کہ جب موت کا وقت ہوا تو وہ ان کے پاس موجود ہوں اور ان کے اور عورتوں کے درمیان حائل

[1] آپ کا نام وکنیت ابوالمعالی محی الدین محمد بن ابی الحسن علی تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاں ان کا بڑا مرتبہ تھا آپ فقہ و ادب اور دیگر بہت سے فضائل کے مالک تھے، دمشق میں عہد قضاء پر بھی فائز رہے وفات ۶۸۸ھ کو ہوئی۔

[2] کلاسہ دمشق میں جامع اموی کے صحن کے شمال دروازے کے پیچھے ایک محلہ ہے۔

ہوں اور ان کو کلمۂ شہادت یاد دلائیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد دلائیں! چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پس ہم نیچے اترے اور ہم میں ہر ایک اپنی جان ان پر قربان کرنے کو پسند کرتا تھا، اور انہوں نے وہ رات اس حال میں گزاری کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہونے والے تھے ،اور شیخ ابو جعفر آپ کے پاس قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا رہے تھے اور آپ کا ذہن نویں کی رات کو غائب تھا (ہوش حواس قائم نہیں تھے) نہیں قریب تھا کہ ہوش آتا مگر چند وقتوں کے لئے شیخ ابو جعفر نے ذکر کیا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک پہنچے هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ تو آپ نے اس کو سنا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: یہ بات درست ہے اور یہ چیز ضرورت کے وقت (آ پکی) ایک بیداری اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر عنایت تھی پس اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ہیں۔ آپ کی وفات بروز بدھ ستائیس صفر ۵۸۹ء بعد نماز فجر ہوئی قاضی فاضل نے آپ کی وفات کے وقت صبح صادق کے طلوع کے بعد جلدی کی اور میں پہنچا تو آپ وفات پا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی عزت کی جگہ اور کثیر ثواب کی طرف منتقل ہو چکے تھے اور تحقیق مجھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب شیخ ابو جعفر، اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی پر پہنچے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ تو آپ مسکرائے اور آپ کا چہرہ چمک اُٹھا اور جان پروردگار کے حوالہ کر دی ، وہ ایسا دن تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس جیسی مصیبت نہیں پہنچی جب سے انہوں نے خلفاءِ راشدین کو گم پایا اور قلعہ اور شہر اور دنیا کو اس وحشت نے ڈھانپ لیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور خدا کی قسم میں بعض لوگوں سے سنا کرتا تھا کہ وہ اپنی جانوں کو ان پر قربان کرنے کی تمنا کرتے ہیں اور میں نے یہ بات نہیں سنی تھی مگر مجازی طور پر اور رخصت سے فائدہ حاصل کرنے کے طور پر سوائے اس دن کے، پس بے شک میں اپنے بارے اور اپنے علاوہ کے بارے جانتا ہوں کہ اگر قربان ہونا قبول ہوتا تو وہ (ضرور) اپنی جان فدا کرتا۔

پھر آپ کے فرزند بادشاہ افضل ایوانِ شمال میں تعزیت کے لئے بیٹھ گئے اور قلعہ کا دروازہ محفوظ کر لیا گیا (لوگوں کو اندر آنے سے روک دیا گیا) سوائے خاص لوگوں کے

یعنی حکمرانوں اور دستار بند لوگوں کے سوا۔ وہ دن بڑا سخت تھا ہر انسان جس غم، افسوس، آہ و بکاء اور فریاد میں مبتلا تھا اس بات نے اس کو اس سے غافل کر دیا تھا کہ وہ دوسرے کی طرف دیکھے اور مجلس (بھی) بند ہوگئی کہ اس میں کوئی شاعر شعر پڑھے یا اس میں کوئی عالم یا واعظ گفتگو کرے۔ آپ کی اولاد باہر نکل رہی تھی اور لوگوں سے نالہ وفریاد کر رہی تھی پس قریب تھا کہ منظر کی ہولنا کی کی وجہ سے لوگوں کا دم نکل جائے اور نمازِ ظہر کے بعد تک یہی حال رہا، پھر آپ کو غسل دینے اور کفنانے میں مشغول ہوئے پس ہمارے لئے ممکن نہ ہوا کہ ہم آپکی تجہیز میں فرض کے سوا ایک رتی بھر قیمت بھی لگائیں۔ یہاں تک کہ اس بھوسے کی قیمت جس کے ساتھ مٹی کو تر کیا گیا ہو۔ آپ کو فقیہ دولعی نے غسل دیا، اور میں ان کے غسل سے باخبر ہونے کے لئے اٹھا لیکن میرے لئے طاقت (سکت) نہ ہوئی جو منظر کو برداشت کر سکے اور ظہر کی نماز کے بعد ایک تابوت میں باہر لائے گئے جس پر کپڑا ڈالا گیا تھا، یہ کپڑا اور اسی طرح آپکی تکفین کے لئے جتنے کپڑوں کی ضرورت ہوئی وہ سب قاضی فاضل جائز اور حلال ذریعہ سے لائے تھے۔ اس کو دیکھنے کے وقت آوازیں بلند ہو گئیں، اور شور وغل اور واویلا اس قدر زیادہ ہوا کہ اس چیز نے ان کو نماز سے غافل کر دیا لوگوں نے گروہ درگروہ آپکا نماز جنازہ پڑھا پھر پہلا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی وہ قاضی محی الدین بن الزکی تھے، پھر آپ کو اس گھر کی طرف دوبارہ لایا گیا جو ایک باغیچے میں تھا جہاں آپؒ علیل رہے اور اس کے مغربی چبوترے میں دفن کئے گئے آپ کو اپنی قبر میں (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو مقدس کرے اور انکی قبر کو منور کرے) نمازِ عصر کے قریب اتارا گیا، اس کے بعد دن کے دوران ان کے بیٹے الملک الظافر نیچے اترے اور اس بارے میں لوگوں سے تعزیت کی اور لوگوں کے دلوں کو سکون دیا لوگوں کے رونے دھونے نے لوٹ مار اور فتنہ وفساد سے باز رکھا، پس کوئی دل نہیں پایا گیا مگر وہ غمگین تھا اور نہ ہی کوئی آنکھ (دیکھی گئی) مگر رونے والی تھی مگر جو اللہ چاہے پھر لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے بہت بُرا لوٹنا اور اس رات ہم میں سے کوئی واپس نہ لوٹا مگر ہم لوگ، ہم حاضر ہوئے اور ہم نے قرآن خوانی کی اور ہم نے حالتِ غم کو تازہ کیا، اور اس روز الملک الافضل اپنے چچا اور

اپنے بھائیوں کو خطوط لکھنے میں مصروف رہے کہ ان کو بھی اس واقعہ کی خبر دیں اور دوسرے دن انہوں نے تعزیت کے لئے عمومی بیٹھک کی اور فقہاء اور علماء کے لئے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ کلام کرنے والوں نے کلام کیا اور کسی شاعر نے شعر گوئی نہیں کی، پھر اس دن ظہر کے وقت مجلس اختتام کو پہنچی اور صبح وشام لوگوں کی حاضری کی یہی صورتِ حال رہی کہ لوگ قرآن خوانی اور دعا میں لگے رہے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور الملک فضل امور کو چلانے اور اپنے بھائیوں اور اپنے چچا کو خط ارسال کرنے میں مشغول ہو گئے، پھر وہ سال اور سال والے گزر گئے پس گویا وہ سال اور گویا وہ سال والے ایک خواب ہیں۔

(النوادر السلطانیہ والمحاسن الیوسفیۃ للقاضی بہاؤ الدین المعروف بابن شداد)

﴿ہمت کی بلندی﴾

از عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ [۱]

انسان اپنی ہمت کی بلندی سے بڑھ کر اور کسی چیز سے نہیں آزمایا گیا کیونکہ جس کی ہمت بلند ہوگی وہ بلندیوں کو اختیار کرے گا، اور کبھی زمانہ مدد نہیں کرتا اور کبھی حالت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ عذاب میں پڑا رہ جاتا ہے، اور بے شک تجھے بھی ہمت کی بلندی کا ایک حصہ دیا گیا پس میں اس کی وجہ سے عذاب میں ہوں، اور میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ کاش ایسا نہ ہوتا، کیوں کہ زندگی عقل نہ ہونے کے بقدر اچھی ہوتی ہے، اور عقلمند آدمی عقل کی کمی کے بدلہ لذت کی زیادتی کو اختیار نہیں کرتا اور البتہ تحقیق میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو اپنی ہمتوں کے بلند ہونے کو بیان کرتے ہیں پس میں نے اس میں غور وفکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ہی قسم میں پڑے ہیں اور ان کو اس کمی کی پرواہ نہیں ہے جو کہ زیادہ اہم ہے۔ رضی کہتا ہے: **ولكل جسم في النحول بلية: وبلاء جسمي من تفاوت همتي** اور ہر جسم کے لئے کمزوری میں ایک مصیبت ہے جبکہ میرے جسم کی مصیبت میری ہمت کی کمی کی وجہ سے ہے'' پس میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اس کی آرزو کی انتہاء حکومت (کا حصول) ہے ابو مسلم الخراسانیؒ (جب) اپنی جوانی کی حالت میں تھے تو قریب نہ تھے کہ وہ سوتے پس ان سے اس بارے کہا گیا تو فرمایا: ذہن صاف ہے

---

[۱] آپ کا نام وکنیت ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی الجوزی ہے آپ اپنے وقت کے امام اور اپنے دور کے علامہ تھے، حدیث تاریخ، اور وعظ کے امام تھے آپ نے بہت سے فنون میں کتابیں تصنیف کیں آپ کی ولادت تقریباً ۵۰۸ھ یا ۵۱۰ھ کو ہوئی اور وفات بغداد میں جمعہ کی شب بارہ رمضان المبارک ۵۹۷ء کو ہوئی آپ کی تاریخ کے موضوع پر ''المنتظم'' اور اپنے ہمعصروں کی تنقید پر ''تلبیس ابلیس'' ہے نیز ''صفۃ الصفوۃ'' اور ''سیرۃ عمر بن الخطاب'' وغیرہ مفید تصانیف ہیں۔

اور فکر دور ہے، اور نفس بلند چیزوں کا مشتاق ہے، ساتھ ایسی زندگی ہو جیسے بے وقوف اور احمق لوگوں کی زندگی ہوتی ہے کہا گیا تو پھر کیا چیز آپ کی اس تشنگی کو ٹھنڈا کر سکتی ہے؟ فرمایا !بادشاہت کا حصول کہا گیا، تو پھر آپ اس کو طلب کریں۔ فرمایا! وہ طلب نہیں کی جاسکتی مگر مصائب کے ساتھ کہا گیا پس آپ ان مصائب میں پڑ جائیں، فرمایا! عقل مانع ہے کہا گیا، پھر آپ کیا کریں گے؟ فرمایا! عنقریب میں اپنی عقل کے ایک حصہ کو جہل بنا لوں گا اور اس کے ذریعہ ان خطرات کی کوشش کروں گا جو جہل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اور عقل کے ذریعہ ان چیزوں کی تدبیر کروں گا جو اسی کے ذریعہ محفوظ ہو سکتی ہیں۔ کیوں کہ گمنامی، فقدان کا بھائی ہے (اس کی مانند ہے) پس میں نے اس بیچارے کی حالت میں غور کیا تو پتہ چلا کہ اس نے اہم امر کو ضائع کر دیا ہے جو کہ آخرت کا پہلو ہے اور حکومت کی طلب میں مستعد ہو گیا ہے پس اس نے کتنوں کو ہلاک وقتل کیا یہاں تک کہ اس کو دنیا کی لذتوں میں کچھ مقصود حاصل ہوا پھر وہ اس میں آٹھ سال سے زیادہ خوشحال نہیں ہوا۔ پھر وہ دھوکہ سے مار دیا گیا اور عقل کی تدبیر کو بھول گیا اور قتل ہو کر بہت بری حالت میں آخرت میں پہنچ گیا۔ متنبی کہتا ہے۔

وفی الناس من یرضی بمیسور عیشه ❀ ومرکوبه رجلاه والثوب جلده

ولکن قلباً بین جنبی ماله ❀ مدی ینتهی بی فی مراد احدّه

تری جسمه یکسی شفوفا قربه ❀ فیختار ان یکسی در وعاً تهدهٗ

اور لوگوں میں بعض شخص ایسے بھی ہیں کہ وہ آسان اور کم تر زندگی پر راضی ہیں حالانکہ ان کی سواری ان کے دونوں پاؤں ہیں اور ان کا کپڑا ان کی کھال ہے مگر وہ دل جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے اس کے لئے ایسی انتہاء نہیں ہے جو مجھ کو کسی ایسی مراد میں پہنچائے جو میں نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے (یعنی جب میں کسی مطلوب کی اس کے لئے حد مقرر کرتا ہوں تو وہ اس سے اور بڑھنا چاہتا ہے) وہ دل اپنے جسم کو دیکھتا ہے کہ اس کو باریک کپڑے پہنائے جاتے ہیں جو اس کو آرام سے رکھتے ہیں مگر وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کو زرہیں پہنائی جائیں جو جسم کو تکلیف دیں۔ (غرض یہ کہ شاعر اپنی جفا

کشی کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نظر میں فخر وشرف جنگ ہی میں ہے) پس میں نے اس دوسرے میں غور کیا تو اس کی خواہش بھی صرف دنیا سے متعلق تھی اور میں نے اپنی ہمت کی بلندی کی طرف نظر کی تو میں نے اس کو عجیب دیکھا اور یہ اس لئے کہ میں علم سے وہ چیز چاہتا ہوں جس کا مجھے یقین ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ میں طرح طرح کے فنون کے ساتھ تمام علوم کے حصول کو پسند کرتا ہوں اور میں ہر امر میں انتہاء کو چاہتا ہوں یہ ایسی چیز ہے کہ عمر اس کے کچھ حصے کو حاصل کرنے سے عاجز ہے پس اگر کسی ایک فن میں میری ہمت اس کی انتہاء کو پہنچی بھی تو میں نے اس کو دوسری چیز سے ناقص خیال کیا پس میں اس کو کامل ہمت شمار نہیں کرتا، جیسے کوئی محدث ہو مگر اس کو فقہ حاصل نہ ہو اور (مثلاً) فقیہ ہو مگر علمِ حدیث اس کو حاصل نہ ہو، پس میں علوم کی کمی پر راضی رہنے کو ہمت کی کمی کا سبب ہی خیال کرتا ہوں۔ پھر میں علم پر عمل کی انتہاء کو چاہتا ہوں پس مجھے بشر حافیؒ [۱] جیسی پرہیز گاری اور معروف کرخیؒ [۲] جیسی دنیا کی بے رغبتی کا اشتیاق ہوتا ہے اور یہ چیز تصانیف کے مطالعہ اور مخلوق کو فائدہ پہنچانے اور ان کے ساتھ رہن سہن کے ہوتے ہوئے مشکل ہے، پھر میں مخلوق سے بے نیازی چاہتا ہوں اور میں ان پر اپنی حیثیت بلند کرنا چاہتا ہوں، جب کہ علم کی مشغولیت کمانے سے مانع ہے اور انعامات کو قبول کرنا ان چیزوں میں سے ہے جس سے انسان کی بلند ہمت انکار کرتی ہے، پھر مجھے اولاد کے حصول کا شوق ہوتا ہے جیسا کہ مجھے تصانیف کی تحقیق کا شوق ہوتا ہے تاکہ بعد میں آنے والے وفات کے بعد میرے نائب بن سکیں، جبکہ اس خواہش میں خلوت پسند کا شغل حائل ہے۔

پھر میں اچھی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا قصد کرتا ہوں مگر اس میں مال کی کمی کی وجہ سے رکاوٹ ہے پھر اگر وہ حاصل بھی ہو جائے تو ہمت کی جمعیت ختم ہو جائے، اسی

[۱] ان کا نام وکنیت ابوالنصر بشر بن الحارث بن عبدالرحمٰن المروزیؒ ہے جو حافی کے نام سے مشہور ہیں آپ کبار اولیاء میں سے ہیں ۲۲۶ء میں وفات پائی۔

[۲] آپ کی کنیت ابو محفوظ اور نام معروف بن فیروز الکرخیؒ ہے آپ بھی کبار اولیاء میں سے ہیں۔

طرح میں اپنے بدن کے لئے وہ کھانے اور مشروب چاہتا ہوں جو اس کو ٹھیک کرے، کیوں کہ بدن ناز و نعمت کا عادی ہے جبکہ مال کی کمی اس سے مانع ہے اور یہ تمام چیزیں اضداد کو جمع کرنا ہے پس میں کہاں اور وہ شخص جس کی حالت میں نے بیان کی ہے وہ کہاں جس کے مقصود کی انتہاء دنیا ہو؟ اور میں نہیں چاہتا کہ دنیا کی کسی چیز کا حصول کسی وجہ سے میرے ذہن کے چہرے کو نوچے (معیوب کرے) اور نہ یہ کہ وہ میرے علم یا میرے عمل میں اثر انداز ہو پس ہائے میری بے چینی! اعادہ علم اور تصانیف میں قلب کی مشغولی اور بدن کے مناسب کھانوں کی وجہ سے شب بیداری کی طلب اور پرہیز گاری کے حصول پر، اور ہائے افسوس! لوگوں کی ملاقات اور ان کی تعلیم کی وجہ سے خلوت میں مناجات کے چھوٹ جانے پر اور بال بچوں کی ضروریات کی جستجو کی وجہ سے ہائے! میری پرہیز گاری کا مکرر ہونا! علاوہ ازیں میں نے اپنی ایذا رسانی کے لئے خود کو حوالہ کر دیا، شاید کہ میری صلاح میری تکلیف میں ہے، اس لئے کہ ہمت کی بلندی ایسی بلندیوں کی طالب ہے جو حق تعالیٰ کے قریب کرنے والی ہیں اور کبھی مقصد کا انتخاب مقصود کی رہنمائی کرنے والا ہوتا ہے اور اب میں اپنے سانسوں کی حفاظت کروں گا کہ کہیں کسی بے فائدہ چیز میں ضائع نہ ہو جائے اور اگر میرا ارادہ اپنی مراد کو پہنچ گیا تو ٹھیک ورنہ مومن کی نیت تو بہر حال اس کے عمل سے زیادہ (اپنے مقصود کو) پہنچنے والی ہوتی ہے۔

(صید الخاطر لابن الجوزیؒ)

﴿سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ﴾

از ابن خلکان[۱]

سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ اسلاف میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ آپؒ حدیث، فقہ عبادت و زہد اور پرہیز گاری جیسے اوصاف کے جامع تھے، آپؒ کو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے سماع حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آدمی کو جس نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تھا یہ فرمایا تھا تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو یعنی حضرت سعید بن المسیب سے پوچھو پھر میرے پاس واپس آ کر مجھے بھی بتانا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ان کو آ کر بتایا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا! کیا میں نے تم کو بتایا نہیں تھا کہ وہ علماء میں سے ایک ہیں نیز حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے ان کے بارے میں فرمایا! اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان سے خوش ہوتے آپ کی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی ہے اور ان سے سماع بھی حاصل ہوا ہے، اور آپؒ نبی کریم علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کے پاس بھی آتے اور

---

[۱] آپ شیخ المؤرخین اور ماہر تصانیف ہیں آپ کا نام شمس الدین الاربلی ہے اور ابن خلکان کے ساتھ مشہور ہیں آپ کی ولادت ۶۰۸ھ کو ہوئی آپ امام عالم، فقیہ ادیب اور شاعر ہیں آپ علم ادب و تالیف میں یکتائے روزگار ہیں آپ دو مرتبہ دمشق کے عہدہ قضاء پر فائز ہوئے پھر معزول ہو کر قاہرہ چلے آئے یہاں تقریباً سات سال تک افتاء اور تدریس کا کام کیا، پھر آپ دوبارہ دمشق کے قاضی مقرر ہوئے لوگوں کو آپ کے دوبارہ قاضی بننے پر بے حد خوشی ہوئی، علمائے تاریخ آپ کی کتاب "وفیات الاعیان" سے بڑے متاثر ہوئے، کیونکہ یہ کتاب اندازِ تحریر کثرتِ فوائد، حسن عبارت، بیان وصف میں میانہ روی اور مبالغہ آمیزی سے مبرا ہونے کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، اسی طرح اس کتاب میں لوگوں کے مختلف طبقات کے حالات مذکور ہیں، دراصل یہ کتاب آپ کی طویل تحقیقات اور وسیع معلومات کا نتیجہ ہے۔ آپ کی وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی۔

ان سے علم حاصل کرتے، آپؒ کی اکثر سند روایات، حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں، آپؒ ان کی بیٹی کے شوہر (داماد) تھے، امام زہریؒ اور امام مکحولؒ سے پوچھا گیا: جن کو تم نے پایا ہے ان میں زیادہ فقیہ کون ہے؟ ان دونوں نے فرمایا! وہ سعید بن المسیبؒ ہیں۔ آپؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا! میں نے چالیس حج کئے۔ نیز ان سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا! پچاس سال سے میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اور میں نے پچاس سال سے کسی آدمی کی گدّی کو نماز میں نہیں دیکھا، کیونکہ وہ پہلی صف کی پابندی کرتے تھے، اور بعض کہتے ہیں؟ آپؒ نے پچاس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے، آپؒ فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے برابر اور کسی چیز سے بندوں کو عزت نفس نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے برابر اور کسی چیز سے ان کو نفس کی ذلت بھی نہیں ملی، آپؒ کو تیس ہزار سے بھی زیادہ مال کی پیش کش کی گئی کہ آپؒ یہ لے لیں مگر آپؒ نے کہا، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی مروان کی اولاد کی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں پھر وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔

ابو وداعہؒ کہتے ہیں میں حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ چند دن انہوں نے مجھے نہیں پایا، پھر جب میں ان کے پاس آیا تو پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے کہا، میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے میں مصروف رہا، آپؒ نے فرمایا! تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں، ہم بھی ان کے (جنازہ میں) حاضر ہو جاتے، (ابو وداعہ) کہتے ہیں پھر میں نے اٹھنا چاہا تو فرمایا تم نے اس کے علاوہ کسی عورت کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے بھلا مجھ سے کون (اپنی بیٹی) بیاہے گا؟ میں تو صرف دو یا تین درہم کا مالک ہوں، آپؒ نے فرمایا اگر یہ کام میں کروں تو کیا تم کرو گے؟ میں نے کہا جی ہاں، پھر آپؒ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجا اور دو درہم یا فرمایا تین درہموں پر میری شادی کر دی (ابو وداعہ) کہتے ہیں پس میں (وہاں سے) اٹھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس خوشی پر کیا کروں؟ پس میں اپنے گھر لوٹا، اور میں ان لوگوں کو سوچنے لگا جن سے (مال) حاصل کروں اور قرض لوں، اور میں نے

مغرب کی نماز پڑھی اور میں روزہ دار تھا۔ پس میں رات کا کھانا لے آیا تا کہ افطار کروں اور وہ (افطاری کا سامان) روٹی اور زیتون تھا، اچانک دروازہ پر دستک ہونے لگی میں نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا! سعید ہوں، میں نے حضرت سعید بن المسیبؒ کے سوا ہر ایسے آدمی کے متعلق سوچا جس کا نام سعید ہو، کیوں کہ وہ چالیس سال سے اپنے گھر اور مسجد کے درمیان (جگہ) کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھے گئے، پس میں اٹھا اور باہر نکلا تو دیکھا کہ تو وہ حضرت سعید بن المسیبؒ تھے۔ پس میں نے گمان کیا کہ انہوں نے کوئی رائے قائم کر لی ہے۔ (یعنی وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے) پس میں نے کہا اے ابو محمد! آپؒ نے میری طرف کسی کو کیوں نہیں بھیج دیا پس میں خود آپؒ کے پاس آجاتا۔ آپؒ نے فرمایا نہیں آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کے پاس آیا جائے۔ میں نے کہا تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا میں نے تجھے غیر شادی شدہ دیکھا پھر آپ نے شادی کر لی تو مجھے یہ بات نہ پسند ہوئی کہ آپ اکیلے رات بسر کریں تو یہ آپ کی بیوی ہے دیکھا تو وہ ان کے اوٹ میں ان کے برابر کھڑی تھیں، پھر انہوں نے اس کو دروازہ کے اندر کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ عورت شرم کی وجہ سے گر پڑی پھر وہ دروازہ سے چمٹ گئی، پھر چھت پر چڑھ گئی، پھر میں نے پڑوسیوں کو آواز دی پس وہ آئے اور پوچھنے لگے تجھے کیا ہوا؟ میں نے بتایا، آج حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی بیٹی کی مجھ سے شادی کر دی اور وہ خود کو میری بے خبری (اچانک) میں لے آئے اب وہ گھر میں ہے پس وہ اس کے پاس گئے میری والدہ کو خبر پہنچی تو وہ بھی آئیں اور کہا اگر تو نے اس کو ہاتھ لگایا تو میرا چہرہ تیرے چہرہ سے دور ہے قبل اس کے کہ میں تین دن تک اس کو سنواروں، چنانچہ میں تین دن تک ٹھہرا رہا پھر اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ تو لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور کتاب اللہ کی سب سے زیادہ یاد رکھنے والی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے سب سے زیادہ واقف کار اور شوہر کے حقوق کی سب سے زیادہ شناسا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک مہینہ کا عرصہ ہو گیا نہ وہ آئے اور نہ کوئی اور آنے والی آئی پھر میں ایک ماہ کے بعد ان کے پاس (حضرت سعید بن المسیبؒ) آیا اور وہ اپنے حلقہ میں بیٹھے تھے پس میں نے

انہیں سلام کیا، انہوں نے مجھے جواب دیا اور اس وقت تک مجھ سے بات نہیں کی جب تک کہ مسجد میں موجود لوگ منتشر ہو گئے (چلے گئے) پس جب میرے سوا اور کوئی نہ رہا تو آپؒ نے فرمایا! اس آدمی کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا وہ اس حالت پر ہے کہ دوست کو پسند کرتا ہے اور دشمن کو ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا کہ اگر آپؒ کو کوئی بات پیش آئے تو چھڑی سے کام لو، پھر میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا حضرت سعیدؒ کی مذکورہ صاحبزادی کو عبد الملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کے لئے پیام نکاح دیا تھا۔ جب انہوں نے اس کو ذمہ داری سونپی تھی لیکن حضرت سعیدؒ نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا پس تب سے عبد الملک، حضرت سعید کے خلاف حیلہ و بہانہ ڈھونڈتا رہا یہاں تک کہ اس نے ان کو ایک سرد دن میں مارا اور ان پر پانی ڈالا۔ یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں مدینہ کے گورنر ہشام بن اسماعیل نے عبد الملک بن مروان کو خط لکھا کہ سعید بن المسیب کے علاوہ مدینہ کے تمام لوگ ولید اور سلیمان کی بیعت پر متفق ہو گئے ہیں اس نے (جواب میں) لکھا کہ تم اس کو تلوار دکھاؤ، پس اگر وہ (اپنی بات پر) قائم رہے تو اس کو پچاس کوڑے لگاؤ اور اسے لے کر مدینہ کے بازاروں میں چکر لگاؤ، پس جب ان گورنر کے پاس حکم نامہ آ گیا تو سلیمان بن یسار[1] عروۃ بن الزبیر[2] اور سالم بن عبد اللہ[3] حضرت سعید بن المسیبؒ کے

---

[1] آپ کا نام وکنیت ابوایوب سلیمان بن یسار ہے، آپ حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ ہیں اور عطار بن یسار کے بھائی ہیں، مدینہ کے فقہاء میں سے ایک ہیں آپؒ عالم، عابد، زاہد اور متقی انسان تھے۔ آپ ابن عباسؓ ابی ہریرہ اور ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے امام زہری اور اکابر کی ایک جماعت روایت کرتی ہے وفات ۱۰۷ھ ہے۔

[2] آپ کا نام عروۃ بن الزبیر بن العوام ہے آپ بھی مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں۔ آپؒ کو اپنی خالہ حضرت عائشہ ام المؤمنین سے سماع حدیث حاصل ہے۔ آپ سے ابن الشہاب الزہری وغیرہ روایت کرتے ہیں آپ کی ولادت ۲۲ھ کو ہوئی اور وفات ۹۳ھ کو ہوئی۔ عبد الملک کہتے ہیں جو شخص کسی جنتی کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہو وہ عروۃ بن الزبیر کو دیکھ لے۔

[3] آپ کا نام سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ہے آپ فقہاء مدینہ میں سے ہیں اور تابعین کے علماء اور سادات میں سے ایک ہیں، آپ اپنے والد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے امام زہری اور نافع وغیرہ روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات ذی الحجہ کے آخر میں ۱۰۶ھ کو ہوئی۔

پاس آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے پاس ایک کام کے سلسلہ میں آئے ہیں۔ عبدالملک کا حکم نامہ آیا ہے کہ اگر آپ بیعت نہ کریں تو آپ کی گردن اڑا دی جائے اور ہم آپ کی خدمت میں تین باتیں پیش کرتے ہیں پس آپ ان تین باتوں میں ایک بات ہم کو دے دیں (یعنی مان لیں) کیوں کہ والی مدینہ نے یہ بات منظور کر لی ہے کہ آپ کے سامنے وہ حکم نامہ پڑھا جائے، پس آپ نہ تو نہ کریں اور نہ ہاں کریں۔ آپؒ نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے بیعت کر لی ہے، میں نہیں کروں گا اور آپ جب کہتے کہ ،،نہیں،، تو لوگ آپ سے ہاں نہیں کہلوا سکتے تھے، انہوں نے کہا تو پھر آپ اپنے گھر میں بیٹھ رہیں چند دنوں کے لئے نماز کے لئے باہر نہ نکلیں، کیوں کہ جب وہ آپ کو آپکی مجلس سے طلب کریں گے اور آپ کو نہیں پائیں گے تو وہ مان لیں گے آپؒ نے (جواب میں) کہا تو کیا میں اپنے کانوں کے اوپر حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ کی آواز یعنی اذان سنوں (تب بھی نماز کے لئے باہر نہ نکلوں) میں نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا پھر آپ اپنی مجلس سے کسی اور جگہ چلے جائیں، کیونکہ وہ آپ کی مجلس میں کسی کو بھیجے گا تو آپ کو نہ پا کر آپ سے باز آجائے گا۔ آپؒ نے فرمایا کیا مخلوق کے ڈر کے مارے ایسا کروں؟ میں ایک بالشت نہ آگے ہوں گا اور نہ پیچھے، چنانچہ وہ (سب) باہر آگئے اور آپ نماز ظہر کے لئے باہر نکلے اور اپنی اس مجلس میں بیٹھے جہاں بیٹھا کرتے تھے، جب والی نے نماز پڑھ لی تو ان کی طرف (آدمی کو) بھیجا وہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ امیر المؤمنین نے لکھا ہے وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اگر آپ بیعت نہ کریں تو ہم آپ کی گردن اڑا دیں، آپؒ نے فرمایا رسول ﷺ نے دو بیعتوں سے منع فرمایا ہے پس جب اس نے آپ کو دیکھا کہ آپ نہیں مان رہے تو آپ کو ایک برآمدہ کی طرف نکالا گیا۔ آپ کی گردن کھینچی گئی اور تلواریں سونت لی گئیں پس جب اس نے آپ کو دیکھ لیا کہ آپ (اپنے موقف پر) قائم ہیں تو ان کے لئے حکم دیا تو آپ کے کپڑے اتارے گئے تو پتہ چلا کہ آپ کے بدن پر بال کے بنے ہوئے کپڑے ہیں، پھر آپ نے کہا کہ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو اس حالت کی وجہ سے مشہور نہ ہوتا، چنانچہ اس نے آپ کو پچاس کوڑے لگائے، پھر آپ کو لے کر

مدینہ کے بازاروں میں گھوما، پھر جب انہوں نے آپ کو چھوڑا تو لوگ نمازِ عصر سے واپس لوٹ رہے تھے تو فرمایا! بلاشبہ یہ ایسے چہرے ہیں کہ میں نے چالیس سال سے ان کو نہیں دیکھا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ ان کے پاس بیٹھیں۔ آپؒ کی ایک پرہیز گاری یہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا تو آپ اس کو کہتے کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ اس ڈر سے کہ کہیں ان کی وجہ سے اس کو مارا نہ جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؒ مسجد میں ایک جگہ کو مخصوص کرتے تھے کہ مسجد میں اس کے علاوہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (حتیٰ کہ) وہ چند راتیں جن میں عبدالملک نے ان کے ساتھ جو سلوک کرنا تھا سلوک کیا کسی نے آپ سے کہا اس جگہ میں نماز نہ پڑھیں تو آپ نے انکار کیا مگر اسی جگہ میں نماز پڑھتے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے ظالموں کے مددگاروں سے اپنی آنکھیں نہ بھرو (اس کو اچھا نہ جانو) مگر بادلِ نخواستہ تاکہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ کسی نے آپ سے کہا جب آپکی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔ آپ اپنی آنکھ سے پانی کیوں نہیں نکلوا؟ فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا یہاں تک کہ اسی حال میں اس ذات سے ملوں۔

آپؒ کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال گزر چکے تھے اور آپ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مرد بن چکے تھے اور آپکی وفات مدینہ منورہ میں علی اختلاف الاقوال ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ یا ۹۴ھ یا ۹۵ھ کو ہوئی، جبکہ بعض ۱۰۵ھ کو وفات کے قائل ہیں واللہ علم۔

﴿نبوتِ محمدی ﷺ اور اس کی نشانیاں﴾

از حافظ ابن تیمیہؒ [۱]

رسول اکرم ﷺ کی سیرت آپؐ کی (نبوت کی) نشانیوں میں سے ہے اور آپؐ کے اخلاق، اقوال، افعال اور آپؐ کی شریعت آپؐ کی نشانیوں میں سے ہے اور آپؐ کی امت بھی آپؐ کی نشانیوں میں سے ہے اور آپؐ کی امت کا علم اور ان کا دین بھی آپؐ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور آپؐ کی امت کے نیک لوگوں کی کرامات بھی آپؐ کی نشانیوں میں سے ہیں اور یہ چیزیں آپؐ کی سیرت پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوں گی یعنی آپؐ کی ولادت سے بعثت تک اور بعثت سے وفات تک کے حالات میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوں گی۔ نیز ان چیزوں کا تب پتہ چلے گا جب آپؐ کے نسب آپ کے شہر آپؐ کی اصل وفرع میں غور کیا جائے گا۔ کیونکہ آپؐ نسب کے اعتبار سے تمام زمین والوں سے اعلیٰ ہیں اور آپؐ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خالص نسل و اولاد میں سے ہیں جن کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب رکھی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہر نبی ان کی نسل سے ہی آیا اور اللہ نے ان کو دو بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ دیئے اور تورات میں ان کا ذکر کیا گیا، اور تورات میں اس کی خوشخبری

---

۱ آپ شیخ الاسلام ہیں آپ کا نام ونسب احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن ابی القاسم تیمیہ الحرانی والدمشقی ہے، آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد آپ کو ۶۶۷ھ میں حران سے کہیں اور لے گئے چنانچہ آپ کو ابن عبدالدائم، قاسم الاربلی، مسلم بن علان اور ابن ابی عمرو الفخر سے سماع حاصل ہوا، آپؒ نے خود پڑھا، عبور حاصل کیا، مہارت حاصل کی، امتیازی مقام حاصل کیا، تدریس و تصنیف اور افتاء جیسی خدمات انجام دیں اور اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے گئے۔ آپؒ قوتِ استحضا، عقلی ونقلی علوم میں وسیع النظری اور اسلاف واخلاف کے مذہب پر گہری نظر رکھنے کے سبب عجیب شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی وفات ۲۲ ذی القعدہ ۷۲۸ھ کو حراست کی حالت میں ہوئی۔

دی گئی کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے حضور ﷺ ہوں گے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں آپؐ کے سوا اور کسی کی نبوت کی خوشخبری نہیں دی گئی۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں ایک پیغمبر ان ہی میں سے بھیج دے۔ پھر وہ قریش میں سے ہوں جو اولادِ ابراہیم میں بہترین ہیں پھر وہ بنو ہاشم میں سے ہوں جو قریش میں بہترین ہیں اور مکہ میں (پیدا) ہو جو ام القریٰ ہے اور اس بیت اللہ کا شہر ہے جس کو ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا اور لوگوں کو اس کے حج کی طرف دعوت دی تھی اور عہدِ ابراہیمی سے برابر اس کا حج ہو رہا ہے اور بہترین وصف کے ساتھ اس کا انبیاء کرام کی کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپؐ تربیت و پرورش کے اعتبار سے تمام لوگوں سے اکمل تھے، اور سچائی، نیکی عدل و انصاف، اخلاق کریمانہ، بے حیائی ظلم اور ہر مذموم صفت سے اجتناب جیسی صفات میں ہمیشہ معروف رہے جو لوگ نبوت سے قبل آپ کو پہچانتے تھے اور جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے اور جنہوں نے نبوت ملنے کے بعد کفر کیا سب آپؐ کی مذکورہ صفات کی گواہی دیتے تھے۔ کوئی قابلِ عیب بات آپؐ کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ نہ آپؐ کے اقوال میں اور نہ افعال میں اور نہ آپؐ کے اخلاق میں۔ اور نہ آپؐ سے کبھی جھوٹ، ظلم اور بے حیائی صادر ہوئی، آپؐ کے اخلاق اور حلیہ مبارک، تمام صورتوں سے زیادہ کامل مکمل اور ان خوبیوں کو جامع تھا جو آپؐ کے کمال کا پتہ دیتی ہیں، آپؐ امّی لوگوں میں سے ایک امّی تھے، جو چیزیں اہل کتاب یعنی تورات و انجیل والے جانتے تھے وہ نہ خود آپؐ جانتے تھے اور نہ وہ امّی لوگ اور نہ ہی آپؐ نے لوگوں کے علوم میں کچھ پڑھا اور نہ علم والوں کے پاس بیٹھے، آپؐ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے چالیس سال مکمل کئے، پس اچانک آپؐ ایک ایسی چیز لائے جو تمام امور سے زیادہ تعجب والی اور عظیم تھی، اور ایسا کلام لائے کہ اس جیسا کلام نہ پہلوں نے سنا تھا اور نہ بعد والوں نے، اور ہمیں آپؐ نے ایسی چیز کی خبر دی کہ آپ کے شہر اور قوم میں اس جیسی خبر کوئی نہیں جانتا تھا نہ آپؐ سے پہلے وہ معلوم تھی اور نہ آپؐ کے بعد، نہ شہروں میں سے کسی شہر میں اور نہ زمانوں میں سے

کسی زمانہ میں کوئی ایسا تھا جو اس جیسی چیز لا سکتا جو حضور ﷺ لے کر آئے اور نہ آپؐ کے غالب آنے کی طرح کوئی غالب آسکا، اور نہ ہی ایسے عجائبات اور معجزات لایا جیسے آپؐ لائے، اور نہ ہی کوئی ایسا تھا جس نے ایسی شریعت کی طرف دعوت دی ہو جو آپؐ کی شریعت سے اکمل ہو، اور نہ کوئی ایسا تھا جس نے علم، حجت، ہاتھ اور قوت کے ذریعے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کیا ہو جیسے آپؐ نے غالب کیا، پھر مزید یہ کہ دیگر انبیاء کی طرح آپؐ کی کمزور لوگوں نے پیروی کی اور سرداروں نے تکذیب کی اور آپؐ کے دشمن ہو گئے، اور آپ کا کام تمام کرنے اور آپؐ کے پیروکاروں کو ہلاک کرنے کی ہر طرح کوشش کی، جیسا کہ کفار انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ سلوک کیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے آپؐ کی پیروی کی انہوں نے کسی چیز کی رغبت (خواہش) یا کسی چیز کی رھبت (ڈر) کی وجہ سے آپ کی پیروی نہیں کی، کیوں کہ آپؐ کے پاس تو ایسا مال نہیں تھا جو آپؐ ان کو دیتے اور نہ محکمے تھے جن کا آپؐ انکو متولی بناتے اور نہ ہی آپؐ کے پاس اس کیلئے تلوار تھی، بلکہ تلوار اور مال و جاہ یہ سب کچھ آپؐ کے دشمنوں کے پاس تھا اور ان دشمنوں نے آپؐ کے پیروکاروں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، جبکہ وہ صبر کرتے اور اس پر اجر کے امیدوار ہوئے۔ جب ایمان کی حلاوت (شیرینی) اور دین کی معرفت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تو وہ اپنے دین سے ہٹتے نہیں تھے، عہد ابراہیمی سے عرب کے لوگ مکہ آیا کرتے تھے اور یہاں موسمِ حج میں عرب کے قبیلے جمع ہوئے تھے پس آپؐ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور ان تک پیغامِ الٰہی پہنچاتے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے اور (اس دوران) جھٹلانے والوں کے جھٹلانے بے رخی کرنے والوں کی بے رخی اور اعراض کرنے والوں کے اعراض کی وجہ سے آپؐ کو تکالیف پہنچتی آپؐ اس پر صبر بھی کرتے، یہاں تک یثرب والوں کے ساتھ آپؐ کا قیام ہوا اور وہ یہودیوں کے پڑوسی تھے، انہوں نے ان سے آنحضرت ﷺ کی خبریں سن رکھی تھیں اور انکو آپؐ کی شناخت ہو چکی تھی، چنانچہ جب آپؐ نے ان کو دعوت دی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا تھا اور جن کی یہود ان کو خبر دیا کرتے تھے، انہوں نے

حضور ﷺ کی وہ خبریں سن رکھی تھیں جن کے ذریعہ انہوں نے آپؐ کے مرتبہ کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے کہ آپؐ کی بات پھیل چکی تھی اور دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں ظاہر ہو چکی تھی۔ پس لوگ آپؐ پر ایمان لائے انہوں نے آپؐ کی ہجرت پر آپؐ کی اتباع کی اور اسی طرح آپؐ کے صحابہؓ نے اپنے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے اور آپؐ کے ساتھ جہاد کے لئے ہجرت کرنے کے بارے میں آپؐ کی پیروی کی، چنانچہ آپؐ نے خود بھی اور آپؐ کے پیروکاروں نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی جہاں مہاجرین اور انصار تھے، ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی دنیوی غرض کے لئے یا کسی ڈر اور خوف کی وجہ سے ایمان لایا ہو، صرف چند انصار تھے جو بظاہر مسلمان ہوئے پھر ان میں بھی بعض اسلام میں مخلص ہوئے پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی پھر اس کا حکم دیا گیا اور یہ حکم کامل اور مکمل طریقہ پر اللہ کے حکم سے قائم رہا یعنی سچائی، عدل وانصاف اور وفاداری سے۔ جن کا ایک جھوٹ بھی محفوظ نہیں اور نہ کسی پر کوئی ظلم محفوظ ہے اور نہ آپؐ نے کسی کے ساتھ عہد شکنی کی، بلکہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سچے بہت زیادہ عدل کرنے والے سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے تھے، حالات خواہ کیسے ہی مختلف ہوں جنگ ہو یا صلح، امن ہو یا خوف، مالداری ہو یا ناداری، قلت ہو یا کثرت، آپؐ کا کبھی دشمن پر غلبہ ہو یا دشمن کا کبھی آپؐ پر غلبہ ہو آپؐ ان تمام حالتوں میں کامل ومکمل طریقہ کی پابندی کرنے والے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کی دعوت عرب کی ساری سرزمین میں ظاہر ہو گئی جو (پہلے) بت پرستی اور نجومیوں کی خبروں اور خالق کے ساتھ کفر کر کے مخلوق کی اطاعت اور حرام کردہ خون ریزی اور قطع رحمی سے بھری پڑی تھی، وہ نہ آخرت کو جانتے تھے اور نہ معاد کو پھر وہ (اہلِ عرب) تمام زمین والوں سے زیادہ علم والے زیادہ دیانت دار اور زیادہ عدل و انصاف کرنے والے اور سب سے افضل بن گئے۔ یہاں تک کہ جب عیسائیوں نے ان کو ان کی شام آمد پر دیکھا تو کہنے لگے کہ حضرت مسیحؑ کے صحبت یافتہ لوگ ان لوگوں سے افضل نہیں تھے۔ یہ ہیں زمین پر ان کے علم اور عمل کے آثار اور دوسروں کے آثار، عقل مند لوگ ان دونوں امروں میں فرق کو جانتے ہیں اور باوجود یہ کہ آپؐ کا معاملہ ظاہر ہو گیا،

مخلوق نے آپؐ کی اطاعت کی اور اپنی جانیں اور مال حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا حضور ﷺ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ آپؐ نے نہ کوئی درہم پیچھے چھوڑا اور نہ کوئی دینار اور نہ کوئی بکری اور نہ اونٹ، سوائے ایک خچر اور ہتھیار کے اور زرہ کے جو ایک یہودی کے پاس تیس وسق جو (ساٹھ صاع) کے بدلہ رہن رکھی ہوئی تھی جو آپؐ نے اپنے گھر والوں کے لئے خریدے تھے، اور آپؐ کے قبضہ میں ایک جاگیر تھی جس میں سے کچھ آپؐ اپنے گھر والوں کے لئے خرچ کرتے اور باقی سارا مسلمانوں کی ضروریات میں صرف فرما دیتے۔ چنانچہ حکم یہ ہوا کہ آپ کا کوئی وارث نہ ہوگا اور آپؐ کے ورثاء اس میں سے کچھ نہیں لے سکتے، ہر وقت آپؐ کے دست مبارک سے عجیب عجیب نشانیاں اور مختلف کرامات ظہور پذیر ہوتی تھیں جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے۔ آپؐ لوگوں کو ان واقعات کی خبریں دیتے تھے جو پہلے واقع ہو چکے اور جو آئندہ واقع ہونے والے تھے اور لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے تھے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتے تھے اور تھوڑا تھوڑا کر کے شریعت کے احکام جاری کرتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دین کو کامل کر دیا جس کو دے کہ اللہ نے آپؐ کو بھیجا تھا اور آپؐ کی شریعت ایک مکمل شریعت کی صورت میں سامنے آئی۔ ایسی کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ عقلیں سمجھتی ہوں کہ یہ نیکی ہے مگر اس کا آپؐ نے حکم دیا، آپؐ نے ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیا کہ کہا گیا ہو کہ کاش آپؐ اس کا حکم نہ فرماتے اور نہ کسی ایسی چیز سے منع کیا کہ کہا گیا ہو کہ کاش آپؐ اس سے منع نہ فرماتے آپؐ نے پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا، ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں کیا، جیسا کہ دوسرے دین میں حرام کی گئیں، اور آپؐ نے گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا، ان میں سے کسی چیز کو حلال نہیں قرار دیا، جیسا کہ دوسرے (دین) نے حلال قرار دیا، آپؐ نے ان تمام محاسن (خوبیوں) کو جمع فرمایا جن پر (سابقہ) تمام امتیں تھیں، چنانچہ تورات، انجیل اور زبور میں اللہ تعالیٰ کے متعلق اور اس کے فرشتوں کے متعلق اور آخرت کے دن کے متعلق خبر کی جو قسم مذکور تھی آپؐ ان کو کامل طریقہ پر لائے، (بلکہ) آپؐ نے ایسی باتوں کی بھی خبر دی جو ان (مذکورہ) کتب

میں نہیں تھیں، (مثلاً) ان کتابوں میں عدل و انصاف کے واجب ہونے، فضیلت کے مقرر کرنے اور فضائل کی طرف دعوت دینے اور اچھائیوں کی ترغیب کا ذکر نہیں ہے جبکہ حضور ﷺ ان چیزوں کو بھی لے کر آئے بلکہ اس سے زیادہ اچھے طریقہ پر لائے، اور جب عاقل آدمی ان عبادات میں غور کرتا ہے جن کا حضور ﷺ نے حکم دیا اور ان عبادات میں جن کا (سابقہ) امتوں کو حکم دیا گیا تو (حضور ﷺ کی بتائی ہوئی) عبادات کی فضیلت اور ترجیح معلوم ہوتی ہے، یہی حال ہے حدود، احکامات اور باقی عبادات کا، آپؐ کی امت ہر فضیلت میں تمام امتوں سے کامل ترین (امت) ہے، جب ان کے علم کا (دوسری) تمام امتوں کے علم کے مقابلہ میں اندازہ کیا جائے تو ان کے علم کی فضیلت معلو م ہوگی، اور اگر ان کے دین ان کی عبادت اور ان کی اطاعتِ خداوندی کا دوسروں کے مقابلہ اندازہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ وہ دوسروں سے زیادہ دین والے ہیں، اور جب ان کی بہادری اور جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی ذات کے لئے مصائب و شدائد پر ان کے صبر و برداشت کا اندازہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ جہاد کے اعتبار سے عظیم اور دلوں کے اعتبار سے بہت بہادر ہیں اور جب ان کی سخاوت کا اور ان کے خرچ کرنے کا اور ان کی فیاضی کا دوسروں کے مقابلہ میں اندازہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ وہ زیادہ سخی اور دوسروں سے زیادہ کرم فرما ہیں، اور ان ہی فضائل کو انہوں نے حاصل کیا اور سیکھا، آپؐ ہی نے ان کا لوگوں کو حکم دیا جو آپؐ سے پہلے کسی کتاب کی اتباع کرنے والے نہیں تھے، آپؐ ہی بطریقِ اکمل اس کو لائے جیسا کہ حضرت مسیحؑ تورات ہی کے احکام کو تکمیل کی صورت میں لائے اور حضرت مسیحؑ کے ماننے والوں کے فضائل اور ان کے علوم بعض تو وہ ہیں جو تورات سے ماخوذ ہیں اور بعض زبور سے لئے گئے ہیں اور بعض پیشن گوئیوں سے اور بعض حضرت مسیحؑ سے لئے گئے پس اور جبکہ بعض ان کے بعد کے لوگوں سے ماخوذ ہیں جیسے حواری اور حواریوں کے بعد کے لوگ، اور انہوں نے فلاسفہ اور دوسروں کے کلام سے امداد چاہی یہاں تک انہوں نے دین مسیحی میں ایسے امور داخل کر کے دین مسیحی کو تبدیل کر کے رکھ دیا جن (امور) کا تعلق کفار کے امور سے تھا جو دین مسیحؑ

کے متضاد تھے، لیکن حضرت محمد ﷺ کی امت کا حال یہ تھا کہ وہ آپؐ سے پہلے کوئی کتاب پڑھے ہوئے نہیں تھے بلکہ اکثر وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور تورات وانجیل اور زبور پر صرف اسی طریق سے ایمان لائے تھے آپؐ کی ذات ہی ایسی تھی جس نے ان کو حکم دیا کہ وہ تمام پیغمبروں پر ایمان لائیں اور ان تمام کتابوں کا اقرار کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور آپؐ نے ان کو رسولوں میں سے کسی بھی رسول کے درمیان تفریق کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کتابِ مبارک میں فرماتے ہیں جو آنحضرت ﷺ لے کر آئے

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (البقرة: ۱۳۵-۱۳۷)

”کہدو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور اس پر جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہِ (حق) پر لگ جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ برسر مخالفت میں ہی ہیں، تو تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اللہ تعالیٰ، اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں“۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرۃ:۲۸۵-۲۸۶)

"اعتقاد رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اسکی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اُس کے سب پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے سُنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اسکی طاقت اور اختیار میں ہو اسکو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے، اے ہمارے پروردگار ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جسکی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔" (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح)

﴿ظلم، آبادی کی ویرانی کی خبر دیتا ہے﴾

ازابن خلدون[۱]

یاد رکھیے! لوگوں پر ان کے اموال کے بارے میں ظلم وزیادتی سے ان میں مال کمانے اور حاصل کرنے کے جذبات اور تمنائیں پامال ہو کر رہ جاتی ہیں، کیوں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں اس (ظلم) کی انتہا اور انجام یہ ہوگا کہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیا جائے گا اور جب مال کمانے اور حاصل کرنے کی تمنائیں ہی سرد پڑ جائیں گی تو لوگ کام کاج سے اپنے ہاتھ سمیٹ لیں گے اور لوگوں کا کام کاج سے ہاتھ سمیٹنا (یعنی کاروبار چھوڑنا) ظلم وزیادتی کے بقدر اور اس کی نسبت سے ہوگا، پھر جب ظلم کثرت سے ہو اور تمام ذرائع معاش میں کارفرما ہو تو کاروبار ترک کرنے کا بھی یہی حال ہوگا۔ کیونکہ مجموعی طور پر لوگوں کے جذبات سرد پڑ جائیں گے کیونکہ وہ روزگار کے تمام

۱؎ اس عالم کبیر کی پیدائش علم ونعمت کے ماحول میں تیونس میں ہوئی، تمام علوم میں حصہ لیا اور ان میں استحکام پیدا کیا۔ خصوصاً علم تاریخ میں تبحر حاصل کیا اور آپ عہدۂ قضاء کتابت اور حجابت (دربانی) پر فائز رہے اور ۷۶۴ھ کو اندلس آئے وہاں کے امراء اور حکمرانوں نے آپ کا خیر مقدم کیا اور صاحب غرناطہ نے اپنے وزیر کو چھوڑ کر ان کو خصوصی حیثیت دی جس کی وجہ سے وہ ان سے حسد وکینہ رکھنے لگا، پھر آپ اپنے وطن واپس آ گئے اور کئی ملکوں کا سفر کرتے ہوئے ۷۸۴ھ کو مصر پہنچے، یہاں جامع ازہر میں تدریسی فرائض انجام دینا شروع کر دیئے اور عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ پھر آپ نے اندلس کو چھوڑ دیا اور یکے بعد دیگرے مناصب پر فائز ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کا وقت اجل آ پہنچا۔ آپؒ فلسفہ تاریخ کے امام اور مؤجد تھے، آپ کا تحریر کردہ مقدمہ تاریخ بے مثال ہے جس سے سارے عالم کی لائبریریاں استفادہ کرتی ہیں اور یہ کتاب بہت سے مباحث ونظریات میں ایک نئی تر وتازگی کی ہمیشہ حامل رہی ہے ابن خلدون طرزِ نگارش میں امام تھے آپ کا طرزِ تعبیر علمی بحث وتمحیص میں ایک خوبصورت اور بے مثال ہے، جس کا سلوب عام سادہ ہونے کے ساتھ مرتب اور باسلیقہ ہے، آپؒ کی ولادت ۷۳۲ھ کو اور وفات ۸۰۸ھ کو ہوئی۔

ذرائع میں اس ظلم کو داخل پائیں گے، اور ظلم زیادتی معمولی ہو تو لوگوں کا کمائی سے ہاتھ سمیٹنا بھی اسی نسبت ہوگا۔ آبادی اس کی کثرت اور اس کی منڈیوں کی سرگرمی، لوگوں کے اعمال اور مساعی پر موقوف ہے، ہر شخص اپنے اپنے کام اور کسب کے لئے وہاں آتا جاتا ہے، پھر جب لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں گے اور کاروبار سے ہاتھ سمیٹ لیں گے تو آبادی کی منڈی کساد بازاری کا شکار ہو جائے گی۔ حالات بگڑ جائیں گے اور لوگ روزگار کی تلاش میں اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں چلے جائیں گے جس کا اس ملک سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ پھر ملک کے باشندوں کی تعداد کم ہو کر بھرے گھر خالی اور آباد شہر ویران ہو جائیں گے اور ملک کی بردباری سے حکومت وسلطان کی بربادی آئے گی، کیونکہ حکومت آبادی کے ڈھانچے کی ایک صورت ہے، جب مادہ کے بگاڑ سے ڈھانچہ ہی بگڑ جائے گا تو صورت تو بطریقِ اولیٰ بگڑے گی۔ (اس کی مزید وضاحت کے لئے) مسعودی کی حکایت پر غور کیجئے مسعودی پارسیوں کی تاریخ میں موبذان ہے جو بہرام بن بہرام کے زمانہ میں بانی مذہب تھا، وہ نقل کرتا ہے کہ موبذان اُلّو کی زبان سے ایک کہانی سنا کر بادشاہ کو اشارہ اشارہ میں ظلم و زیادتی سے روکتا ہے اور اس کی بری عادتوں پر تنبیہ کرتا ہے اور اسے خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے، قصہ یہ ہے کہ ایک دن بادشاہ نے اُلّو کی آواز سنی، کہنے لگا: موبذان! تم اس کی زبان سمجھتے ہو! موبذان نے اس سے کہا (ہاں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ) نر اُلّو، مادہ اُلّو سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مادہ کہتی ہے کہ شرط یہ ہے کہ تم مجھے بہرام کے زمانے کے بیس ویران گاؤں (مہر میں) دو، نر کہتا ہے، مجھے یہ شرط منظور ہے، اگر بہرام کی حکومت قائم و دائم رہی تو (بیس گاؤں کیا) میں تجھے ایک ہزار ویران گاؤں دے دوں گا، اور یہ (خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا) آسان ترین طریقہ ہے۔ یہ سن کر بادشاہ اپنی غفلت سے بیدار ہوا موبذان کو تنہائی میں بلا کر اس سے پوچھا کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ موبذان نے اس کو کہا اے بادشاہ ملک کی بقاء، شریعت کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے اوامر ونواہی کو بجالانے پر موقوف ہے او شریعت کی بقاء بادشاہ پر اور بادشاہ کی بقاء لوگوں پر اور لوگوں کی بقاء مال پر اور مال کی

آبادی پر اور آبادی کی بقاء انصاف پر ہے، اور انصاف ایک ترازو ہے جو مخلوق میں نصب ہے اس کو رب تعالیٰ نے نصب فرمادیا ہے اور اس کا ایک منتظم بنا دیا ہے اور وہ بادشاہ ہے، اے بادشاہ آپ نے زمینیں ان کے مالکان سے اور انہیں آباد رکھنے والوں سے چھین لیں حالانکہ وہ ٹیکس والے تھے اور ان ہی سے مال وصول ہوا کرتا تھا اور آپ نے یہ زمینیں، اپنے حاشیہ نشینوں، خادموں اور بے کاروں کو دے دیں، انہوں نے (یہ زمینیں) ویران چھوڑ دیں اور اس کے نتائج پر غور نہیں کیا اور نہ ہی ان زمینوں کی اصلاحات پر توجہ دی، اور ان سے شاہی تقریب کی وجہ سے ٹیکس وصول کرنے میں بھی رواداری برتی گئی اور سارا ظلم دوسرے ٹیکس والوں اور زمین آباد کرنے والوں پر پڑا، (یعنی دوسرے کسانوں پر ٹیکس کی شرح بڑھا کر ان سے ٹیکس لیا جائے گا) پس وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر اپنے ملک سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایسے علاقوں میں جا بسے جہاں انہوں نے بڑی دشواریوں کے بعد زمینیں حاصل کیں، اس سے (آپ کے ملک کی) آبادی کم ہوگئی اور زمینیں ویران پڑی رہ گئیں، مال (سرکاری آمدنی) گھٹ گیا اور (اس وجہ سے) فوج اور رعایا الگ ہلاک ہوئی، یہ مال دیکھ کر ملکِ فارس کی طرف پڑوسی بادشاہوں نے للچائی ہوئی نگاہ ڈالی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اس ملک میں وہ مواد ہی ختم ہے جس پر ملک کے ستون قائم ہوا کرتے ہیں، پس جب بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو وہ اپنے ملک کے بارے غور کرنے لگ گیا اور اس کے خواص کے ہاتھوں زمینیں چھین لی گئیں اور ان کے کاشتکاروں کو واپس دے دی گئیں، اور سابقہ طریقہ بحال کر دیا گیا، کاشتکاران کو آباد کرنے میں لگ گئے، جو ان میں کمزور تھے اب طاقتور ہو گئے پس زمین آباد ہوگئی، اور علاقے شاداب ہو گئے اور محصول وصول ہونے کی وجہ سے سرکاری، مال میں اضافہ ہو گیا، فوجی طاقت مضبوط ہوگئی، اور دشمنوں کی تمنائیں پامال ہوگئیں اور سرحدوں پر فوج تعینات ہوگئی اور بادشاہ اپنے کام خود سرانجام دینے لگ گیا۔ اس کے دن اچھے ہو گئے اور اس کے ملک میں ایک اچھا انتظام قائم ہو گیا۔ آپ بھی اس حکایت کو سمجھیں کہ ظلم آبادی کو ویران کرنے والا ہے، اور آبادی کی ویرانگی کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ اس سے ابتری پھیلتے پھیلتے

حکومت ختم ہو جاتی ہے اور اس سلسلہ میں اس پر غور نہ کیجئے کہ کبھی بڑی بڑی حکومتوں میں ظلم و زیادتی پائی جاتی ہے مگر ان میں ویرانی نہیں ہوتی ، یاد رکھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ویرانی، ظلم وزیادتی اور شہر والوں کے حالات کی مناسبت سے (بتدریج) آتی ہے، اگر کوئی شہر بڑا ہے اور اسکی آبادی زیادہ ہے اور اس کے حالات (کاروبار) بہت وسیع ہیں، محدود نہیں ہیں، تو اس میں ظلم وزیادتی سے خرابی کم (محسوس) ہوگی کیونکہ خرابی بتدریج آتی ہے ،ابھی تو حالات کی کثرت اور کاروبار کے پھیلاؤ کی وجہ سے وہ خرابی پوشیدہ ہے مگر اس کا اثر ایک مدت کے بعد ظاہر ہوگا اور کبھی شہر کی ویرانی سے پہلے ظالم حکومت ہی جڑ سے اکھڑ جاتی ہے اور دوسری حکومت آکر ملک کی پھٹی ہوئی قبا میں پیوند لگاتی ہے اور اس خرابی کی تلافی کرتی ہے جو اس میں چھپی ہوتی ہے اور یہ محسوس نہیں ہوتا مگر یہ کہ یہ کم اور نادر ہوتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظلم وزیادتی سے آبادی میں نقصان ضرور ہوتا ہے اور یہ یقینی امر ہے اور اس کا وبال حکومتوں پر پڑتا ہے، اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ظلم یہی ہے کہ کسی مالک کے ہاتھ سے اس کا مال یا اس کی چیز بلا معاوضہ اور بلا وجہ لے لی جائے جیسا کہ مشہور ہے بلکہ ظلم عام ہے ہر وہ شخص جو کسی کی مملوکہ چیز چھین لے یا جو اس کے دائرہ عمل میں ہوا سے غصب کرے یا اس کا اس سے ناحق مطالبہ کرے یا اس پر کوئی ایسا حق فرض کردے جو شریعت نے اس پر فرض نہ کیا ہو وہ ظالم ہے پس لوگوں سے ناحق مال وصول کرنے والے ظالم ہیں۔ وصولیابی میں تشدد برتنے والے ظالم ہیں اور مال لوٹنے والے ظالم ہیں، اور لوگوں کے حقوق روکنے والے ظالم ہیں، اور لوگوں کی املاک غصب کرنے والے کھلم کھلا ظالم ہیں، اور ان تمام ظلموں کا وبال حکومت ہی پر پڑتا ہے جو آبادی کی ویرانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو آبادی حکومت کا مادہ ہے اور ویرانی اس لئے آتی ہے کہ ظلم لوگوں کی امیدوں کو ختم کر دیتا ہے۔

شارع علیہ السلام نے جو ظلم حرام فرمایا ہے اس میں یہی حکمت مقصود ہے، یعنی اس سے آبادی میں خرابی اور ویرانی پیدا ہوتی ہے، اور یہ (ظلم) نوع انسانی کے فنا ہونے کا اعلان (اشارہ) کرتا ہے اور یہی وہ عام حکمت ہے جس کی شرع نے اپنے پانچ ضروری

مقاصد میں رعایت پیشِ نظر رکھی ہے یعنی دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ہو؟ پھر جب ظلم جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ نوعِ انسانی (نسل انسانی) کے ختم ہو جانے کی خبر دیتا ہے کیوں کہ یہ آبادی کی ویرانی تک پہنچا تا ہے تو اس میں خطرے کی حکمت کا وجود ہے، اس لئے ظلم کی حرمت سنگین ہو گی اور قرآن و حدیث میں اس کی حرمت کے دلائل بے شمار ہیں اور ضبط و حصر سے باہر ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

﴿بعثتِ رسول ﷺ کے وقت عجمی تمدن﴾

از شیخ ولی اللہ الدہلویؒ [1]

جاننا چاہئے کہ ایران اور روم میں سالہاسال سے سلطنت چلی آئی اور وہ دنیوی لذت میں مستغرق ہو گئے اور عالمِ آخرت کو بھول گئے اور شیطان ان پر غالب آگیا تو وہ معیشت کے اسباب پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور ان اسباب پر فخر کرنے لگے، اور اطرافِ عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہی، یہ لوگ معاش کے دقائق اور اس کی کارآمد چیزیں مستنبط کرتے رہے، پس ہمیشہ وہ ان امور پر عمل کرتے رہے، ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور فخر کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ کہا گیا (یعنی مشہور ہو گیا تھا) کہ وہ ان سرداروں پر طعن و تشنیع کرتے تھے جو ایسی پٹی یا تاج پہنتا تھا

---

[1] آپ حکیم الامت اور دینی و علمی مجدد و فلسفی تھے، آپ کا نام قطب الدین احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین العمری الدہلویؒ ہے، آپ نے علم اپنے والد ماجد سے پڑھا اور آپ کی فراغت اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر ۱۵ برس کی بھی نہیں ہوئی تھی، فراغت کے بعد درس و تدریس اور تصنیف تالیف میں مشغول ہو گئے حتی کہ ۱۱۴۳ھ کو حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے استفادہ و افادہ کیا اور شیخ ابو طاہر المدنیؒ سے حدیث کی سند حاصل کر کے ہندوستان واپس آ گئے اور یہاں درس و تالیف اور علمی و دینی تجدید کے کام سرانجام دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے آپ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے اور اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، علامہ سید صدیق حسن خان (امیر بھوپال) فرماتے ہیں: اگر آپ سابقہ صدیوں میں ہوتے تو یقیناً اسلام کے عظیم مجتہدین میں سے ایک ہوتے (اتحاف النبلاء) آپ محدث مفسر، فقیہ، اصولی، متکلم اور فلسفہ اسلامی کے امام تھے، آپ بہترین مولف قلم کار اور ماہر عربیت تھے، آپ کی بعض کتابیں بے مثال ہیں، خصوصاً الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء اور رسالۃ الانصراف فی سبب الاختلاف اور آپ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ تو اپنے موضوع پر ایک یکتا کتاب ہے، جس میں دین کے حقائق، عقل و نقل میں تطبیق اور دینی و سیاسی نظام کی تشریح کی گئی ہے اور یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے۔

جسکی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی یا اس کے پاس بلند محل، آبزن (فوارہ)، حمام اور باغات نہ ہوتے اور اس کے پاس عمدہ گھوڑے اور خوبصورت غلام نہ ہوتے اور اس کو کھانوں میں فراغ دستی نہ ہوتی اور لباسوں میں تجمل نہ ہوتا تھا، اور ایسے ہی بہت سے امور تھے جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے، اور اپنے شہروں کے بادشاہوں کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو ان کے ہوتے ہوئے ان کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ۔پس یہ (تکلفات) ان کے اصولِ معاش میں اس طرح پیوست ہو گئے کہ ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے بغیر یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں، اور اس سے ایک ایسا سخت مرض پیدا ہو جو شہر کے تمام اجزاء میں سرایت کر گیا، اور ایسی عظیم آفت برپا ہوئی جس سے نہ ان کا بازاری بچا اور نہ دہقانی اور نہ امیر بچا اور نہ غریب، بلکہ یہ (عیش و آرام کی آفت) ہر ایک پر غالب آ گئی تھی اور ان کے دستِ بگریباں ہو گئی تھی اور اس نے ہر ایک کو تھکا دیا تھا اور ایسے مصائب اور پریشانیوں میں پھنسا دیا تھا جن کی کوئی انتہاء نہ رہی، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ چیزیں اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی تھیں جب تک کہ بہت مال صرف نہ کیا جائے، اور اتنا مال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور ان جیسے لوگوں پر ٹیکس زیادہ کئے جائیں اور ان پر سختی کی جائے اور اگر وہ ادا نہ کریں تو وہ (حکمران) ان سے جنگ کریں اور ان کو تکلیفیں دیں اور اگر وہ احکام بجالاتے رہیں تو ان کو بمنزلہ گدھے اور بیل کے کر دیں جو آب پاشی، جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کو ذخیرہ محض اپنی ضروریات میں استعمال کرنے کے لئے کیا جاتا ہے پھر تھوڑی دیر کے لئے بھی ان کو مشقت سے آرام نہیں دیا جاتا، حتیٰ کہ یہ (امراء) سعادت اخروی کیطرف سر بھی نہیں اٹھا سکتے اور نہ اس (مرتبہ کے) قابل رہتے ہیں۔

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وسیع مملکت میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ہوتا جس کو اپنے دین کا اہتمام اور خیال ہو، اور یہ (سامانِ عیش) ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں جو کھانے، لباس اور مکانات وغیرہ کے حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں، اور کاروبار کے ان اصول کو جن پر نظامِ عالم کا مدار ہے ترک کر دیتے ہیں اور عام طور پر جو

لوگ ان سے ملتے جلتے ہیں وہ ان سب امور میں ان امراء کی ہی نقل کرتے ہیں ورنہ ان کی ان (امراء) کے ہاں کوئی بازیابی نہ ہو اور نہ ان کے نزدیک ان کی کچھ وقعت رہے۔ تمام لوگ بادشاہ کے محتاج ہوتے ہیں، اس سے اپنی ضروریات کی کفالت چاہتے ہیں، بعض اس لئے کہ وہ لشکری اور شہر کے منتظم ہیں۔ یہ لوگ ان (سرداروں کی) روش تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا ارادہ نہیں کرتے صرف اپنے اسلاف کے طریقے کو پورا کرتے ہیں اور بعض اس لئے کہ وہ شاعر ہیں جن پر انعام واکرام کرنے کے بادشاہ عادی ہوتے ہیں اور بعض اس لئے کہ وہ درویش اور پارسا ہیں اور بادشاہ کے لئے نازیبا ہے کہ اس کی خبر گیری نہ کریں۔ اس لئے یہ ایک دوسرے پر تنگی کرتے ہیں۔ اور انکے ذرائع معاش اسی پر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں رہیں۔ ان سے نرم کلام اور خوش گفتاری اور خوش آمد سے پیش آئیں۔ انہی فنون میں ان کو فکریں غرق رہتی ہیں اور ان کے اوقات ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب ان اشغال کی کثرت ہو جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک خسیس حالت پیدا ہو جاتی ہے اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے ہیں اور اگر تم اس مرض کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو ان قوموں کو دیکھو جن میں کوئی سلطنت نہیں اور نہ ہی وہ لذیذ کھانوں اور عمدہ لباسوں میں منہمک ہیں۔ تم ان میں سے ہر ایک کو آزاد پاؤ گے۔ نہ ان پر بھاری ٹیکس مقرر ہوں گے جن سے ان کی کمر جھک گئی پس ایسے لوگ دین وملت کے امور میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی حالت کو اسطرح خیال کرو کہ اگر ان میں سلطنت قائم ہو جائے امراء ان رعایا کو اپنا مطیع بنا کر ان پر اپنا قبضہ کرلیں۔ جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور یہ بیماری سخت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اور مقرر فرشتوں نے ان پر ناراضگی ظاہر فرمائی اور خدا تعالیٰ کی اس مرض کے علاج کے بارے مرضی ہوئی کہ اسکا مادہ ہی ختم کر دیں اس لئے اس نے ایک نبی امّی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ جسکا عجم اور روم سے کوئی میل جول نہ تھا اور اس نے ان کے رسوم کو اختیار نہیں کیا۔ اور اس (پیغمبر) کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کے لئے میزان قرار دیا جسکے ذریعے ان طریقوں میں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہیں تمیز ہو جاتی ہے اور

اللہ تعالیٰ نے ان سے عجمیوں کی عادات کی مذمت بیان کروادی اور دنیاوی زندگی میں اس سے مطمئن اور مستغرق ہونے کی قباحت ظاہر کرادی، اور اس کے دل میں یہ الہام فرمایا کہ ان پر وہ بڑے بڑے امور حرام کردیں جن کے عجمی خوگر ہو گئے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے جیسے ریشمی اور مصری اور ارغوانی لباس پہننا، سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال، سونے کے زیورات جو بنے ہوئے نہ ہوں، اور ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں اور مکانوں پر نقش ونگار کرنا وغیرہ اور خدا تعالیٰ نے مقدر کر دیا کہ ان کی حکومت کا اور ان کی ریاست سے ان کی ریاست کا خاتمہ کر دے اور اب جبکہ کسریٰ ہلاک ہو گیا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو گیا تو اب اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم)

امت کے اونچے طبقہ کے لوگ

از سید عبدالرحمن الکواکبیؒ [۱]

امت کے اکثر اعلیٰ طبقہ کے لوگوں خصوصاً شیوخ میں پست ہمتی چھائی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ہم ان کو اس حال میں پاتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں خود کو ناقص سمجھتے ہیں اور ہر عمل سے خود قصداً عاجزی ظاہر کرتے ہیں، اور ہر پیش قدمی سے باز رہتے ہیں، اور ہر امید کے کام میں ناکامی کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اس کم ہمتی کا سب سے بُرا اثر یہ ہے کہ وہ غیروں کی طرف بنظر کمال دیکھتے ہیں، جیسے چھوٹے بچے اپنے باپ اور اساتذہ کو کمال کی نظر سے دیکھتے ہیں، پس وہ ان غیروں کی تقلید اور ان کی اتباع پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جس کو وہ نرم مزاجی خوش اسلوبی اور تہذیب وشائستگی خیال کرتے ہیں اور وہ ان چیزوں میں ان سے دھوکہ کھاتے ہیں جو ان کو پریشانی میں ڈالنے والی ہیں جیسے دین کے معاملہ میں تصلب (پختگی) اختیار نہ کرنا اور اس پر عدم افتخار کو پسند کرنا، پھر ان میں

[۱] سید عبدالرحمن الکواکبیؒ حلب میں ایک معزز گھرانہ میں ۱۲۶۵ھ کو پیدا ہوئے، اور ایسے ماحول میں پرورش پائی جو غیرت وحمیت جیسی صفات کی وجہ سے ممتاز تھا، آپ سنجیدہ مزاج، باریک بین اور پاکیزہ نفس تھے، آپ نے عربی، لغت اور اسلامی علوم بڑی شان سے سیکھے، آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے ریاضی اور طبعی علوم بھی حاصل کئے اور فارسی اور ترکی زبان بھی سیکھی، اور تاریخی کتابوں کے پڑھنے اور خاص طور پر عثمانی قوانین کی تحقیق میں منہمک ہوئے اور مختلف حکومتی عہدوں پر فائز رہے اور حلب میں ایک آزاد جریدہ ''الشہباء'' کے نام سے شروع کیا، آپؒ کو حلب میں امراء کی عداوت ومخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا، آپ مسلمانوں کی حالت زار کا بخوبی شعور رکھتے تھے، چنانچہ آپؒ نے تمام اطراف عالم میں موجودہ حالات سے آگاہی کے لئے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ مختص کیا، اور ان کے امراض کی تشخیص اور ان کا علاج تلاش کرنے میں مشغول رہے، اس کے لئے آپ نے مشرق سے مغرب تک تمام مسلمان ممالک کا سفر کیا یہاں تک کہ آپ نے مصر میں ربیع الاول ۱۳۲۰ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

بعض تو ایسے ہیں جو تنہائی کے علاوہ جگہوں (جلوتوں) میں نماز سے حیاء و شرم محسوس کرتے ہیں، نیز جیسے قومی روایات کو اپنانے میں تغافل برتنا، پھر ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی پگڑی سے شرم کریں گے اور جیسے خاندانی عزت و افتخار سے دور ہونا، گویا کہ ان کی قوم ایک گرے پڑے انسان ہیں اور جیسے کسی رائے میں گروہ بندی کو نظر انداز کرنا گویا کہ وہ عاجز ہی پیدا ہوئے ہیں اور جیسے منافع میں قرابت داروں کو ترجیح دینے سے غفلت برتنا اور جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت اور نصرت و تعاون کو چھوڑنا، تاکہ اس کی وجہ سے دینی تعصب کی بو محسوس نہ ہو۔

اس لئے کہ وہ اجنبی لوگ ان پر ملمع سازی کرتے ہیں کہ وہی ان صفات سے اچھی طرح مزین ہیں نہ کہ وہ لوگ اور یہ کاہل لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لائق یہی ہے کہ ان پر ان حالات سے مفارقت دشوار ہو جن کے وہ عمر بھر عادی رہے جیسا کہ بیمار جسم کبھی ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ صحت اس کو لذت دار نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بچپن سے ہی اپنے بڑوں کے ساتھ ادب و آداب سیکھے ہوتے ہیں اس کا ہاتھ یا اس کا دامن یا اس کے پاؤں چومتے رہے ہوتے ہیں اور وہ بڑوں کے احترام کے ایسے خوگر ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ اس سردار کی توہین نہیں کرتے اگرچہ وہ ان کی گردنوں کو کچل ڈالے، اور اس پر ایسی مضبوطی کے عادی ہو گئے جیسے ہتھوڑے سے میخیں گڑ جاتی ہیں اور اس کی اطاعت سے مانوس ہو چکے ہیں اگرچہ وہ ان کو تباہی کی طرف لے جائے اور ان کی زندگی کا بس یہی کام ہو کر رہ جاتا ہے نہ کہ اپنی نشو ونما۔ وہ ان پر غالب آرہا ہوتا ہے اور وہ مغلوب ہو رہے ہوتے ہیں وہ آسمان کا طالب ہے اور یہ لوگ زمین کے طالب ہوتے ہیں گویا کہ وہ موت کے شوقین ہیں اور ان عادات پر ان کی طویل انسیت ان کی فکر میں حقائق کو بدل کر رکھ دیتی ہے اور ان کی نظر میں ذلت کو قابلِ فخر چیز بنا دیتی ہے پھر ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ حقارت کو ادب کا اور ذلت کو نرمی کا اور خوشامد کو فصاحت کا اور لکنت کو سنجیدگی کا اور ترکِ حقوق کو فراخ دلی کا اور اہانت کے قبول کرنے کو تواضع و عاجزی کا اور ظلم پر راضی ہونے کو فرمانبرداری کا نام دیتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے استحقاق کے دعوی کو غرور کا اور اپنی ذاتی حیثیت کے ترک کرنے کو بے کار عمل کا اور کل پر نظر رکھنے کو امید کا اور پیش قدمی کو نا

عاقبت اندیشی کا اور خود داری کو حماقت و بیوقوفی کا اور حوصلہ مندی کو بد خلقی کا اور قول کی آزادی کو گستاخی کا اور حب الوطنی کو دیوانگی کا نام دیتے ہیں جاننا چاہئے کہ وہ نئی نسل جن کی عقل و دانش کے ساتھ امت اپنی توقعات کو وابستہ رکھے ہوئے ہے ممکن ہے ان کی کوئی امید بر لائے اور وطنوں کا تعلق ان کی عالی ہمتی کے ساتھ ہے ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی کام کر دکھائیں۔ یہ اور ان کے درجہ کے مہذب محمدی لوگ ایسے نوجوان ہیں کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی رائے کی بلندی ان کی نوجوانی کے ساتھ متعلق ہے جو اپنے دین پر فخر کرتے ہیں اور اس کے بنیادی ارکان کو قائم کرنے کے حریص ہیں جیسے نماز اور روزہ، اور دین کے اصل ممنوعات سے اجتناب کرتے ہیں جیسے قمار بازی اور نشہ آور چیزیں، جو فخر کے محلات کی عمارت ایسی ہڈیوں پر نہیں بناتے جنہیں زمانہ بوسیدہ کر چکا ہے اور وہ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ وہ اسلاف و اخلاف کے درمیان ایک گری پڑی جماعت بن جائیں جن کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ ذلت و قید سے انکاری ہیں اور یہ وہ ہیں جو باعزت مرنا پسند کرتے ہیں اور وہ ذلیل ہو کر زندگی نہیں گزارتے جو اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں پسندیدہ زندگی حاصل ہو، ایک ایسی قوم کی حیات جس کا ہر فرد اپنے کاموں میں مستقل بالذات ہو۔ دین کے سوا اس پر اور کسی کی حکومت نہ ہو اور ایسے شریک کی سی زندگی جو اپنی قوم کا امین ہو کہ لوگ اس سے اور وہ لوگوں سے غمی و خوشی کو بانٹے ہوں۔ اور ایک ایسے بیٹے کی طرح جو اپنے وطن کا فرماں بردار ہو، اس وطن سے اپنی فکر، اپنے وقت اور مال میں سے معمولی بھی بخل روا نہ رکھتا ہو اور یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے اس شخص جیسی محبت کرتا ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ وہ ہیں جو انسانیت سے محبت رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ انسانیت علم ہے اور حیوانیت جہالت ہے اور یہ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتا ہو اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات سے واقف ہیں کہ ناامیدی، آرزوؤں کے لئے وباء ہے اور کسی کام میں متردد ہونا اعمال کے لئے وباء ہے اور یہ وہ ہیں جو اس بات کی سمجھ رکھتے ہیں کہ قضاء و قدر (تقدیر) اصل میں عمل اور کوشش کا نام ہے اور یہ وہ ہیں جن کو اس بات کا یقین ہے کہ پورے روئے زمین

پر جو بھی اثرات ہیں وہ ان جیسے انسانوں ہی کے اعمال کا ثمرہ ہیں پس ان کو اسی چیز کا خیال آتا ہے جو چیز ان کے بس میں ہو اور وہ تقدیر کے متعلق خیر و بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔ باقی رہی یہ نسل جو فرنگیوں (انگریزوں) کی مشابہت اختیار کرتی ہے یہ ایسے ہیں کہ خود وہ اپنی ذات کے لئے بالکل مفید نہیں ہیں چہ جائیکہ وہ اپنی قوموں اور وطنوں کو کچھ بھی نفع پہنچائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے نصیب ہیں، خواہشات ان کو جس طرح چاہتی ہیں کھینچتی ہیں اور وہ کسی راہ کو اختیار نہیں کرتے اور نہ وہ کسی عام قانون پر چلتے ہیں اس لئے کہ وہ حکمت و مصلحت کا فیصلہ کرتے ہیں اپنے دین پر فخر تو کرتے ہیں مگر اس پر کاہلی و سستی کے مارے عمل پیرا نہیں ہوتے اور وہ میری قوموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی قوموں پر فخر کرتے ہیں اور اپنی رسومات اور امتیازات کو پسند کرتے ہیں چنانچہ وہ بھی ان جیسا بننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن وہ فرنگی کی مشابہت کو ترک کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جیسے وہ ان کے پیرو کار ہی پیدا ہوئے ہیں، اور لوگوں کو پاتے ہیں کہ وہ اپنے وطنوں سے محبت رکھتے ہیں تو یہ بھی صرف تشبیب (شعر میں عورتوں کے اوصاف کا ذکر کرنا) اور احساسات میں ان کے مشابہت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان اعمال کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے، سچی محبت کا تقاضا کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ نئی نسل جو فرنگیوں کی مشابہت اختیار کرنے والی ہے اس کے معاملات بھی تردد، رنگین مزاجی اور منافقت سے باہر نہیں ہیں بے نصیبی کا وصف ان کو جمع کرتا ہے ان سے بہتر تو یہ ست طبقہ ہے جو دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اگرچہ ریاکاری کے طور پر ہو اور دین کی اطاعت کا عزم کئے ہوئے ہیں خواہ اندھے ہو کر علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ ان فرنگیوں کی مشابہت اختیار کرنے والے طبقہ میں کچھ ایسے افراد موجود ہیں جو غیرت مند ہیں جیسے آزاد خیال ترکیوں میں پختہ عزم والے حضرات، جو غیرت کی وجہ سے بھڑک اٹھتے ہیں جو غیرت ان کی فضیلت کے احترام کی مقتضی ہوتی ہے۔ (ام القریٰ للسید عبدالرحمٰن الکواکبیؒ)

﴿حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت﴾

از شیخ محمد عبدہ[1]

دنیا کی دو حکومتیں (مشرق میں حکومت فارس اور مغرب میں رومیوں کی حکومت) مسلسل جنگ وجدل میں مصروف تھیں، دو عالموں میں خون بہہ رہا تھا اور قوتیں کمزور ہو رہی تھیں اور مال ودولت ہلاک وتباہ ہو رہے اور بغض وعداوت سے ظلم کی سخت تاریکی پھیلی ہوئی تھی، اور اس کے ساتھ غرور وتکبر، اسراف وآسائش اور بے بنیاد فخر اور محلات میں تنوع اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ سلاطین وامراء، قائدین اور ہر جماعت کے دینی رؤساء کے محلات بھی ان چیزوں سے موصوف نہیں ہوتے، چنانچہ ان کے ٹیکسوں میں اضافہ ہو گیا اور جزیہ کے تقرر میں اس قدر بڑھ گئے کہ ان کی خواہشات نے رعایا کی کمر کو بوجھل کر دیا اور انہوں نے ان کے اعمال کے منافع کو ختم کر دیا جو ان کے پاس تھے، اور طاقتور آدمی کی قوت اس چیز کے اچکنے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی جو چیز کمزور کے ہاتھ میں تھی اور عقلمند آدمی کی سوچ غیر عقلمند آدمی سے مال چھیننے کے لئے مکر بازی میں

[1] شیخ محمد عبدہ ۱۲۶۶ھ کو پیدا ہوئے آپ کا خاندان کاشتکار تھا، آپ نے جامع الازھر میں قدیم طرز پر تعلیم حاصل کی، اور وہاں تقریباً بارہ سال گزارے، اور عالیہ کی سند حاصل کی، اس کے بعد آپ کا سید جمال الدین الافغانی کے ساتھ تعلق ہو گیا، آپ نے ان کے افکار ونظریات سے استفادہ کیا، پھر درس وتدریس، صحافت اور حکومتی عہدوں پر فائز رہے، تین سال تک جلاوطنی کی زندگی گزاری، اس دوران آپ بیروت میں سکونت پذیر رہے، بعد ازاں آپ کے استاد، سید جمال الدین افغانی نے آپ کو پیرس بلا لیا، اور ان کے ساتھ مل کر ایک مجلہ ''العروۃ الوثقیٰ'' جاری کیا، اور شیخ محمد عبدہ تحریر وتصنیف میں امتیازی مقام رکھتے تھے، اور سید جمال الدین کی روح اور توجیہ ان میں کارفرما تھی۔ آپ نے عالم اسلام میں ان افکار کو پھیلایا، پھر شیخ محمد عبدہ دوبارہ بیروت، عالم ومعلم بن کر واپس آ گئے اور آپ نے نہج البلاغۃ کی شرح لکھی اور بدیع الزمان کی مقامات کی بھی تشریح کی اور اپنے آپ کو تدریسی مشاغل میں مصروف کر لیا، اور پھر اس سے فارغ ہو کر مصر چلے گئے، آپ یہاں عہدہ قضا پر بھی فائز ہوتے رہے اور مجلس شوریٰ کے مستقل رکن اور مفتی بھی مقرر ہوئے، اور جامع ازھر کی تعلیمی وفکری اصلاح میں لگے رہے، آپ نے لوگوں متقدمین کی کتب کی تدریس کی طرف دعوت دی، جو متقدمین اصل عربی ذوق کے مالک تھے، آپ مصر میں ادبی ولغوی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۹۰۵ء کو ہوئی۔

محدود ہوگئی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کے جان و مال پر امن مفقود ہونے کی وجہ سے فقر و ذلت عجز اور خوف و اضطراب چھا گیا، رؤساء کی خواہش اپنے سے کم درجہ لوگوں کے ارادوں پر غالب آ گئی، دور سے نظر آنے والے خیالی اشخاص کی طرح جس کو کھیلنے والا حجاب کے پیچھے سے گھماتا ہے اور دیکھنے والا ان کو عقلمند لوگوں میں سے خیال کرتا ہے، پس اس سے شخصی آزادی مفقود ہوگئی اور رعایا کے افراد یہ سمجھے کہ وہ اپنے وڈیروں کی خدمت اور ان کی آسائشوں کو پورا کرنے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ حیوانات کا حال ہوتا ہے جن کو ان کے مالک پالتے ہیں، وہ وڈیرے اپنے عقائد اور خواہشات میں کھو گئے اور ان کی خواہشات، حق و انصاف پر غالب آ گئیں، البتہ ان کی قوت فکری کی رذیل ترین شکل باقی رہی چنانچہ ان سے اس بات کا خوف دور نہیں ہوا کہ خدائی روشنی کی وہ کرن جو انسانی فطرت سے مخلوط ہے وہ کہیں دلوں پر چڑھے ہوئے غلافوں کو پھاڑ نہ دے اور عقلوں پر پڑے ہوئے پردوں کو تار تار نہ کر دے کہ اس سے پھر لوگوں کو صحیح راہ حاصل ہو جائے گی اور بڑی تعداد، تھوڑی تعداد پر بغاوت کر دے گی، یہی وجہ ہے کہ بادشاہ اور بڑے لوگ خیالات سے بھرے بادل پیدا کرنے اور بے بنیاد اور لچر باتوں کو وضع کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوئے تا کہ ایسی چیزوں کو عوام الناس کے ذہنوں میں ڈال دیں، جس کے نتیجہ میں وہ حجاب دبیز ہو جائے اور زنگ زیادہ ہو جائے اور اس سے فطرت کے نور کا گلہ گھونٹ دیا جائے اور پھر ان کی خواہشات یعنی ان کو مغلوب رکھنا پوری ہوں جب کہ دین نے رؤساء کی زبان سے صراحت کی کہ وہ عقل کا دشمن ہے اور ہر اس چیز کا دشمن ہے جس کو نظر و فکر نے ثابت کیا ہو مگر جو کسی مقدس کتاب کی تفسیر ہو اور ان میں بت پرستی کا رجحان ایسا تھا جیسے ختم نہ ہونے والے چشمے اور ختم نہ ہونے والا سلسلہ، یہ ان اقوام کی علوم میں حالت تھی جب کہ یہی حال ان کی معیشت کا تھا، وہ بے وقعت و ذلیل اور اندھی جہالت میں حیران و سرگرداں تھے، البتہ سابقہ شریعتوں اور گزشتہ حکمتوں میں سے باقی ماندہ نادر چیزیں مستثنیٰ تھیں جو بعض ذہنوں کے ساتھ چپک گئی تھیں اور اس کے ساتھ موجودہ حالات سے ناراضگی اور زمانہ ماضی کے علوم کی کمی تھی، عقائد کے اصول اور فروع کے بارے شبہات پھیل گئے کیونکہ وضع اور طبع میں انقلاب اور تبدیلی آ گئی چنانچہ گندگی کو پاکی کی جگہ میں خیال کیا جاتا اور حرص کو اختیار کیا جاتا جہاں قناعت کی توقع کی جاتی اور امن و سلامتی کے موقع پر خباثت کو اختیار کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ ان کے اسباب کو

جاننے میں ان کی نظر کوتاہ تھی، وہ بالکل ابتداء ہی سے ان سب چیزوں کا مرجع، دین کو ٹھہراتے تھے پس ان کے حواس پر بے چینی طاری ہوگئی اور لوگوں نے عقل وشریعت دونوں میں لاقانونیت کی راہ اپنا لی اور متعدد قبیلوں میں کمیونسٹ اور دہریوں کے مذہب پیدا گئے، اور باقی آفات سے بڑھ کر یہ چیز ان کے لئے تباہی کا سامان تھی، خود عرب کی قوم مختلف رجحانات رکھنے والے قبیلوں کی صورت میں تھی، خواہشات کے تابع تھی، ہر قبیلہ اپنے جیسے قبیلہ کے ساتھ قتل وقتال کرنے اور اپنے بہادروں کا خون بہانے اور عورتوں کو قیدی بنانے اور ان کے اموال چھیننے پر فخر کرتا، حرص ولالچ ان کو جنگوں کی طرف دھکیل دیتا، برائیاں اور غلط عقائد ان کو خوش نما معلوم ہوتے، عرب کے لوگ، کم عقلی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ انہوں نے اپنے بت مٹھائی کے بنا لئے پھر ان کی پوجا پاٹ کی، پھر جب بھوک لگی تو ان کو کھالیا، اور وہ لوگ اخلاقی کمزوری میں اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنی بچیوں کو ان کی زندگی کے طعنہ سے اور ان کی معیشت کے اخراجات سے نجات حاصل کرنے کی خاطر قتل کرڈالا، اور ان میں بے حیائی اتنی پھیل گئی کہ ایک پاک دامن کی کوئی حیثیت نہ رہی خلاصہ یہ کہ ہر قوم کے اندر معاشرتی نظام کی رسی کی گرہ ڈھیلی پڑگئی، اور ہر گروہ میں اس کا دستہ ٹوٹ گیا۔

آیا یہ ان اقوام پر رحمت خداوندی نہیں تھی کہ ان ہی میں سے ایک آدمی آکر ان کو ادب سکھائے، اس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنا پیغام بھیجے اور اس کو اپنی عنایات سے نوازے اور اس کو پھر اتنی قوت بہم پہنچائے کہ جس سے وہ (رنج وغم کے) ان بادلوں کو ہٹا دینے کی اپنے اندر طاقت پائے جو (بادل) ان تمام اقوام کے سروں پر منڈلا رہے تھے؟ جی ہاں، یہ رحمت الٰہی تھی، اللہ ہی کے لئے حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم القرشی، مکہ میں عام الفیل ربیع الاول کی بارھویں شب کو بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے آپ یتیم پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اور انہوں نے پانچ اونٹوں، کچھ مادہ بھیڑوں اور ایک باندی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا بلکہ اس سے بھی کم چیزیں چھوڑنا مروی ہے۔ آپ اپنی عمر کے چھٹے سال اپنی والدہ محترمہ سے بھی بچھڑ گئے، پھر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی پھر آپ کے دادا بھی دو سال کی کفالت کے بعد فوت ہوگئے، پھر اس کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی، اور وہ بڑے خود دار اور شریف تھے، علاوہ ازیں یہ کہ ان کی فقر کی وجہ سے، یہ حالت تھی کہ وہ اپنے گھر

والوں کی کفالت کی طاقت نہیں رکھتے تھے، حضور ﷺ ہی اپنے چچا کی اولاد اور اپنی قوم کے اکیلے ایسے یتیم بچے تھے جو ماں باپ دونوں سے محروم ہوئے اور ایسے فقر سے دو چار تھے کہ جس سے نہ کفالت کنندہ محفوظ اور نہ کفالت شدہ آپ کی تربیت کی کسی مربی نے ذمہ داری نہیں لی اور نہ ہی کسی مؤدب نے آپ کو مہذب بنانے میں تعاون کیا، آپ ان ہی ہم عمر بچوں کے درمیان رہے جو جاہلیت کی پیداوار تھے اور ان ساتھیوں کے ساتھ رہے جو بت پرستی کے حلیف تھے اور ان دوستوں کے درمیان رہے جو تو ہم پرست تھے، اور ان رشتہ داروں کے ساتھ رہے جو بتوں کے خدمت گار تھے، اس کے باوجود آپ بدن اور عقل اور فضیلت وادب کے اعتبار سے نشو ونما پاتے رہے اور بڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی جوانی کے بہترین حصہ میں اہل مکہ کے درمیان ''امین'' (کے لقب) سے معروف ہوئے، یہ ایک خدائی طریقہ ہے کہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ غریبوں میں سے یتیم لوگ اس وصف سے متصف ہوں، خصوصاً جب منتظم بھی غریب ہو، پھر حضور اکرم ﷺ کامل حیثیت سے ادھیڑ عمر ہوئے جبکہ قوم ناقص تھی، آپ بلند رتبہ اور قوم پست رتبہ تھی، آپ موحد اور وہ بت پرست تھی، آپ باامن اور وہ فسادی تھی، آپ صحیح العقیدہ اور وہ وہمی تھے، آپ کی سرشت میں خیر وبھلائی تھی اور قوم اس سے ناواقف تھی اور خیر کے راستہ سے عدول کرنے والی تھی، عام طریقہ یہ ہے کہ غریب اور ناخواندہ یتیم شروع پرورش سے بڑی عمر کے زمانہ تک جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس کے نفس میں نقش ہو جاتا ہے، اور اس کا ذہن ان باتوں سے جو وہ اپنے میل جول والے ساتھیوں سے سنتا ہے، متاثر ہوتا ہے خصوصاً جب کہ وہ ساتھی اس کے رشتہ دار اور اس کے قرابت دار بھی ہوں، اور نہ اکوئی کتاب ہو جو اس کی راہنمائی کرے اور نہ کوئی استاد ہو جو اس کو آگاہ کرے اور نہ کوئی اس کا پشت پناہ ہو کہ جب وہ عزم کرے تو وہ اس کی مدد کر سکے، پس اگر اس عام طریقہ کے مطابق معاملہ ہوتا تو آپ کی پرورش ان ہی (لوگوں) کے عقائد پر ہوتی اور آپ ان کی پرورش کو اختیار کرتے یہاں تک کہ جب آپ مردوں کی حد (عمر) کو پہنچے اور آپ نے فکر ونظر کے اس درجہ کو پالیا کہ آپ ان (لوگوں) کی مخالفت کی طرف رجوع کرتے، جب ان کی گمراہی کے خلاف آپ کے سامنے دلیل آئی، جیسا کہ آپ کے عہد میں قلیل تعداد کے لوگوں نے اس طرح کا کام کیا لیکن معاملہ اس عادت کے مطابق نہیں ہوا بلکہ آغاز عمر سے ہی آپ کو بت پرستی سے نفرت تھی، اور پھر عقیدہ کی پاکیزگی پہلے سے تھی، جیسا کہ اچھی فطرت آپ میں پہلے سے ہی موجود تھی، قرآن پاک میں آیا ہے ووجدك ضالا فهدى اس آیت کا یہ

مفہوم نہیں ہے کہ آپ ہدایت توحید سے پہلے بت پرستی پر قائم تھے یا سیدھے راستہ پر نہیں تھے خُلق عظیم سے قبل، ہرگز نہیں، یہ محض کھلا ہوا الزام ہے بلکہ مراد وہ حیرانی و پریشانی ہے جو مخلصین کے قلوب میں موجود ہوتی ہے وہ لوگوں کی (غلط راہ وعقائد سے) خلاصی کی توقع رکھتے ہیں اور ایسی راہ کی تلاش میں ہوتے ہیں جس کے حصول سے وہ ہلاک ہونے والوں کو نجات دلاسکیں اور گمراہوں کی راہنمائی کرسکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس چیز کی ہدایت بخشی جس کی آپ کی بصیرت متلاشی تھی یعنی اپنی پیغمبری کے لئے چن لیا۔اور آپ کو اپنے احکامات ثابت کرنے کے لئے تمام مخلوق سے منتخب کیا،آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارت میں جو کام کیا اور پھر اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو شوہر کے طور پر جو منتخب کیا اس سے آپ کو اتنا مال حاصل ہوا جس سے آپ اپنی ضرورت کو پورا کرتے (آپ کو اس سے اتنا نفع حاصل ہوا جس سے آپ اچھی گزر بسر کر سکتے تھے) اور آپ کو اپنے اس کام سے جو نفع حاصل ہوا وہ آپ کے لئے کافی بھی تھا اور قوم کے بڑے بڑے لوگوں کے مقام تک پہنچنے کے لئے مددگار بھی تھا،لیکن دنیا نے آپ کو غلام نہیں بنایا اور نہ اس کی دلکش چیزوں نے آپ کو دھوکہ دیا،اور نہ ہی آپ نے دوسروں کی طرح دنیوی نعمتوں کے حصول میں وہ راہ اختیار کی جس کی نفس رغبت رکھتا ہے بلکہ جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی گئی آپ کے اندر ان چیزوں سے اعراض بڑھتا گیا جن پر تمام لوگ تھے،اور آپ کے اندر خلوت کی محبت اور فکر و مراقبہ کے لئے یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی عبادت بڑھتی گئی۔

اور اپنی بڑی پریشانی سے نکلنے کی کوئی صورت تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے رہے کہ کسی طرح اس قوم کو اس مصیبت سے سے چھٹکارا حاصل ہو اور یہ دنیا اس شر سے نجات حاصل کرے جس میں یہ مبتلا ہے، یہاں تک کہ آپ کے لئے اس عالم کا حجاب دور ہو گیا جس کی طرف الہام خداوندی آپ کو آمادہ کرتا تھا اور آپ پر نور قدسی خوب واضح ہو گیا اور آپ پر بلند مقام سے وحی کا نزول ہوا، یہ بات ایسی تفصیل کی متقاضی ہے جس کا یہ مقام نہیں ہے۔

آپ کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ نہیں تھا جو اپنی چھینی ہوئی بادشاہت کا مطالبہ کرتا، آپ کی قوم کے لوگ جاہ ومنصب کی طلب سے مکمل طور پر دور تھے اور ان کو جگہ کی نسبت کا جو شرف ومقام حاصل تھا اس پر قانع تھے، ان دونوں باتوں پر آپ کے دادا عبدالمطلب کا فعل دلالت کرتا ہے جس وقت ابرھہ حبشی نے ان کے مکانات کی طرف

پیش قدمی کی تھی اور وہ حبشی آیا تا کہ عرب والوں سے ان کے عام عبادت خانہ اور ان کے معبودوں کا بلند ٹھکانہ اور قوم کے لوگوں کے لئے بنائے گئے قابل فخر اور قریشیوں کی سب سے بڑی دلیل کو گرانے کا بدلہ لے، اس کے بعض لشکر آگے بڑھے اور عبدالمطلب کے دوسو اونٹ ہانک کر لے گئے، عبدالمطلب چند قریشیوں کے ہمراہ اس بادشاہ کے مقابلہ کے لئے نکلے، بادشاہ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان سے ان کی ضرورت پوچھی ،عبدالمطلب نے کہا کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ میرے وہ دوسو اونٹ مجھے واپس لوٹا دیں جو آپ نے لے لئے ہیں، بادشاہ نے اس معمولی مطالبہ پر ان کو ملامت کی تو انہوں نے اس کو جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور رہا بیت اللہ تو اس کا ایک مالک ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا، یہ خود سپردگی کی آخری حد ہے(حالانکہ عبدالمطلب قریش کے منصب ریاست پر فائز تھے) تو پھر محمد ﷺ کو اپنے فقر کی حالت اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ مقام کب حاصل تھا کہ آپ کوئی بادشاہ طلب کرتے یا سلطنت کی خواہش کرتے؟ آپ کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی منصب اور نہ لشکر اور نہ مددگار اور نہ شعروشاعری کی کوئی طبیعت تھی، نہ لکھنے میں کوئی مہارت اور نہ خطاب میں کوئی شہرت، کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے آپ لوگوں کے دلوں میں مقام حاصل کرتے یا اس کے ذریعہ خواص کے مرتبہ تک پہنچ جاتے، آخر وہ کیا چیز تھی جس نے آپ کی ذات کو تمام لوگوں پر بلند کر دیا؟ اور کس چیز نے آپؐ کے سر کو تمام سروں سے اوپر کر دیا آپ کس وجہ سے دوسروں سے زیادہ عالی ہمت ہوئے؟ یہاں تک کہ آپ امتوں کی راہنمائی کے لیے تیار ہوئے اور ان کے غموں کو دور کر دیا بلکہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیا؟ یہ نہیں تھا مگر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالا یعنی اس دنیا کا کسی مصلح کا محتاج ہونا کیونکہ لوگوں کے عقائد بگڑ چکے تھے اور کسی مصلح کا حاجت مند ہونا کیونکہ ان کے اخلاق وعادات خراب ہو چکے تھے اور صرف آپ کا وجدان تھا اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی تدبیر کی مدد آپ کے کام میں آپ کی نصرت کرتی، اور مقررہ وقت آنے سے پہلے آپ کی آرزو کی تکمیل میں آپ کی مدد کرتی، وہ نہیں تھی مگر وحی خداوندی، اس کا نور آپ کے سامنے دوڑتا آپ کے راستہ کو روشن کرتا اور دلیل کی کلفت میں کفایت کرتا، وہ نہیں تھی مگر آسمانی وحی جو آپ کے لئے ایک قائد اور سپاہی کے قائم مقام تھی کیا تو نے دیکھا کہ آپ کیسے تن تنہا اور یکتا ہو کر اٹھے اور تمام لوگوں کو توحید کی اور خدائے بزرگ وبرتر پر اعتقاد کی دعوت دینے لگے جب کہ سب لوگ بت پرستی، دھریت اور زندیقیت (بے دینی) میں بٹے ہوئے تھے، آپ نے

بت پرستوں کے اندر رہ کر بتوں کو چھوڑ دینے اور معبودوں کو ترک کرنے کا اعلان کیا اسی طرح آپ نے ان تشبیہ دینے والوں میں اعلان کیا جو خدا کی الوھیت اور مخلوق کے اجسام کو آپس میں مخلوط کرنے میں ڈوبے ہوئے تھے کہ وہ اس تشبیہ کے (عقیدے) سے اپنے آپ کو پاک کریں، اور دو خدائی نظریہ رکھنے والوں میں بھی یہ آواز بلند کی کہ وہ اس کائنات میں تصرف کے بارے صرف ایک خدا کے معتقد رہوں، اور ہر چیز کے وجود کو صرف اسی واحد ذات کی طرف لوٹاؤ آپ نے سائنس دانوں کو بھی دعوت دی کہ وہ اس طبیعت کے حجاب کے ماورا چیز کی طرف بھی نگاہیں اٹھائیں تا کہ ان کے سامنے اس وجود کا راز اور حقیقت روشن ہو جس کے ساتھ وہ قائم ہے آپ نے لیڈروں کو پکارا کہ وہ اپنے مرتبے سے نیچے اتر کر عام لوگوں کی صف میں شامل ہوں اور ایک معبود و بادشاہ کے سامنے فروتنی اختیار کریں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کی روحوں کو جوان کے جسموں کے ڈھانچے کے اندر ہیں قبض کرنے والا ہے، آپ نے بندوں اور رب تعالیٰ کے درمیان مرتبہ توسط اختیار کرنے والوں کی بھی گرفت فرمائی چنانچہ آپ نے ان کو دلیل سے بیان کیا، اور وحی کی روشنی سے ان کے سامنے حقیقت کھولی کہ ان کے سب سے بڑے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے سب سے چھوٹے معتقد کی نسبت ہو، اور حضور ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس خدائی درجات سے دست بردار ہو جائیں جو انہوں نے اپنے لئے اختیار کر لئے ہیں اور بندگی کی سب سے ادنیٰ سیڑھی کو اپنا لیں اور ایک رب سے مدد طلب کرنے میں ہر انسان کے ساتھ شامل ہوں کہ ساری مخلوق اس کی طرف نسبت کرنے میں برابر ہے، ان کا آپس میں صرف علم وفضیلت کی وجہ سے فرق ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، آپ نے اپنے وعظ کے ذریعہ ان لوگوں کو بھی الزام دیا جو اپنی عادتوں کے غلام اور تقلید کے قیدی تھے تا کہ وہ اپنی جانوں کو اس چیز سے آزاد کرائیں جس کا انہوں نے اس کو غلام بنایا ہوا ہے اور اپنی گردن سے وہ طوق اتار پھینکیں جن طوقوں نے ان کے ہاتھوں کو عمل سے روک دیا ہے اور ان کی امیدوں کو ختم کر دیا ہے، آنحضور ﷺ آسمانی کتابیں پڑھنے والوں اور ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہوئے جو ان کتابوں میں موجود خدائی احکام پر قائم تھے، چنانچہ آپ نے ان لوگوں پر سرزنش کی جو اپنی کند ذہنی کی وجہ سے ان کتابوں کے کناروں پر ٹھہر جانے والے تھے اور ان کی تحریف کرنے والوں پر سخت نکیر فرمائی جو ان کتابوں کے الفاظ کو ایسے معانی کی طرف پھیرنے والے تھے جو وحی خداوندی کی مراد کے خلاف تھے، اس سے ان کا مقصد اپنی

خواہشات کی پیروی تھا، آپ نے ان کو ان (آسمانی کتب) کے سمجھنے اور ان کے علم کی اصل حقیقت کی چھان بین کرنے کی دعوت دی تا کہ وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہو جائیں، اور آپ نے ہر انسان کو ان خدا داد صلاحیتوں کی طرف متوجہ کیا جو اس کے اندر ودیعت رکھی گئی ہیں، اور آپ نے عام لوگوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں اور خواہ قوم کے سردار، اپنی ذات کو پہچاننے کی دعوت دی اور یہ کہ وہ ایک ایسی نوع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل کے ساتھ خاص کیا ہے اور فکر کے ساتھ ممتاز کیا ہے اور اس نے ان دونوں چیزوں کے ذریعہ اور ارادہ کی آزادی (کی نعمت) کے ذریعہ انسان کو عزت بخشی ہے جس کی طرف اس کی عقل اور اس کی فکر اس کی رہنمائی کرتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ان تمام چیزوں کو جو ان کے سامنے ہیں ان کے سامنے پیش کر دیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو سمجھنے اور ان سے نفع حاصل کرنے کے لئے ان کو بلاقید وشرط غالب وحاکم بنا دیا ہے، صرف شریعت عادلہ کی حدود اور فضیلت کاملہ کے وقت ان کو اعتدال اور توقف کا حکم دیا ہے، اور ان کو اس کے ساتھ اس بات کی قدرت دی کہ وہ اپنی عقلوں اور اپنے ذہنوں سے اپنے خالق کی معرفت تک بغیر کسی واسطہ کے رسائی حاصل کریں، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ساتھ خاص کر لے، اور ان کی معرفت کو دلیل کے ساتھ ان ہی کے سپرد کر دیا، جیسا کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والے کی معرفت کے متعلق ان کی حالت ہے اور پھر ان منتخب لوگوں کی ضرورت صرف ان صفات کی معرفت کے لئے ہے جن کے جاننے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس ذات کے وجود کے اعتقاد کے لئے اس کی حاجت نہیں ہے، اور اس نے یہ طے کر دیا کہ انسانوں میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی غلبہ واقتدار حاصل نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ شریعت اس کو حکم دے اور انصاف اس کو فرض کرے پھر انسان اس کے بعد اپنی ارادہ سے اس چیز کو اختیار کرتا ہے جو فطرت کے تقاضے کے مطابق اس کے تابع ہو آپ نے انسان کو اس بات کی معرفت کی طرف دعوت دی کہ وہ جسم وروح ہے اور یہ کہ وہ اس وجہ سے دو مختلف عالموں سے مرکب ہے اگر چہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اور یہ کہ وہ ان دونوں کے استعمال کا اور ان دونوں کے حق کو پورا پورا ادا کرنے کا ذمہ دار ہے جس کو خدائی حکمت نے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔

آپ نے تمام لوگوں کو اس زندگی میں رہ کر ان امور کی تیاری کرنے کی بھی دعوت دی جن سے ان کو دوسری زندگی میں واسطہ پڑے گا اور ان پر واضح کیا کہ بہترین

توشہ جس کو عمل کرنے والا تیار کرے وہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور عدل وخیر خواہی اور راہنمائی میں لوگوں کے ساتھ اخلاص کا توشہ ہے آنحضرت نے اس عظیم دعوت کو اکیلے انجام دیا اور (خدا کے سوا) نہ آپ کے لئے کوئی مدد تھی اور نہ کوئی طاقت، یہ تمام کام آپ کی طرف سے تھے، مگر لوگ اسی چیز کو پسند کرنے والے تھے جس سے وہ مانوس تھے خواہ ان کو دنیا کا خسارہ اور آخرت کی محرومی حاصل ہو، اور وہ اس چیز کے دشمن تھے جس سے وہ ناواقف تھے اگر چہ وہ چیز زندگی کی فراخی، سرداری کا اعزاز اور خوش بختی کی انتہاء ہو ان تمام باتوں کے باوجود قوم آپ کے اردگرد اپنی جانوں کے دشمن اور اپنی خواہشات کی غلام تھی، آپ کی دعوت کو نہیں سمجھتی تھی اور نہ ہی آپ کی رسالت کو سمجھتی تھی، ان میں عام لوگوں کی آنکھوں کی پلکیں خاص لوگوں کی خواہشات کے ساتھ وابستہ ہو گئیں اور خواص کی عقلوں پر اپنی بڑائی کے گھمنڈ کی وجہ اس سے پردہ پڑ گیا کہ وہ اس جیسے ناخواندہ غریب شخص کے دعوی (رسالت) میں غور کریں، اور وہ لوگ آنحضرت کی ایسی چیز نہیں دیکھتے تھے جو ان لوگوں کو نصیحت کرنے پر سرفراز کرے اور ملامت وتنقید کے لئے ان کے بلند مقامات پر دست درازی کا حق دے لیکن آپ اپنے فقر اور ضعف کی حالت میں بھی حجت کے ساتھ ان پر غالب آتے اور دلیل کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے اور ان کو نصیحت کرتے رہتے اور زجر (ڈانٹ ڈپٹ) کے ساتھ ان کو ڈراتے اور عبرت کے لئے ان کو تنبیہ کرتے اور اس کے ساتھ آپ اچھی نصیحت کے ساتھ ان کی خبر گیری کرتے، گویا کہ آپ اپنے حکم میں غالب حکمران ہیں اور اپنے اوامر و نواہی میں عادل ہیں یا اپنے بیٹوں کی تربیت میں حکیم باپ ہیں اور ان کے مفادات کے شدید خواہش مند ہیں، اپنی سختی میں بھی ان پر مہربان ہیں اور اپنے اقتدار میں بھی ان کے ساتھ رحمدل ہیں، اس ضعف کے باوجود یہ قوت کیا تھی؟ عجز کے موقع میں بھی یہ غلبہ کیا تھا؟ اور اس ناخواندگی کے باوجود یہ علم کیا تھا؟ اور جاہلیت کے اندھیروں میں یہ ہدایت کیا تھی؟ یہ محض اس اللہ کا خطاب تھا جو ہر چیز پر قادر ہے جس کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا جو حق کو واضح کرنے والا تھا جو کانوں کو کھٹکھٹاتا، پردوں کو چیرتا اور غلافوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور دلوں میں پیوست ہوتا، اور اس شخص کی زبان سے جس کو اس ذات نے منتخب کیا تا کہ وہ اس حق کو بیان کرے اور اس نے اس کو اس (منصب) کے لئے مختص کیا جبکہ وہ اپنی قوم میں سب سے کمزور تھے، تا کہ وہ اس انتخاب کی وجہ سے اس پر دلیل قائم کرے، الزام سے دور ہوتے ہوئے اور تہمت سے بری ہوتے ہوئے، اس لئے کہ [illegible]

نے اس کو عام طریقہ کے بالکل خلاف مخلوق کے سامنے پیش کیا اس سے زیادہ بڑی دلیل نبوت پر کیا ہوگی؟ ایک امی شخص کھڑا ہوا اور اس چیز کو سمجھنے کی لکھنے والوں کو دعوت دے جو وہ لکھتے ہیں اور جو وہ پڑھتے ہیں، جبکہ وہ علم درسگاہوں سے بھی دور ہے۔

آپ نے علماء کو بھی پکارا تا کہ وہ اس چیز کو پاک صاف کریں جو وہ جانتے تھے، معرفت کے چشموں کے کسی گوشہ میں آپ قوم کے سرداروں کی رہنمائی کے لئے آئے، آپ وہم والوں کے درمیان پر ورش پانے والے تھے تا کہ حکماء کی کجروی کی اصلاح کریں آنحضرت ایسے قبیلہ میں جو فطرت کی سادگی کے قریب تر اور نظام کائنات کے سمجھنے اور اس انوکھے طریقوں میں غور کرنے سے دور تھے اجنبی تھے آپ نے سارے عالم کے لئے شریعت کے اصول ثابت کرنا اور نیک بختی کی راہوں کی نشاندہی کرنا شروع کی کہ اس پر چلنے والا کبھی ہلاک نہیں ہوگا اور اس کو چھوڑنے والا کبھی نجات نہیں پاسکتا یہ لاجواب خطاب کیا تھا؟ یہ منہ کو لگام دینے والی دلیل کیا تھی؟ کیا میں یہ کہوں کہ یہ کوئی انسان نہیں ہیں یہ تو معزز فرشتہ ہی ہیں، نہیں، میں یہ نہیں کہتا ہوں، البتہ میں ایسا کہوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو بیان کریں: وہ نہیں ہیں مگر ایک انسان تم جیسے کہ ان کی طرف وحی کی جاتی ہے وہ ایسے نبی ہیں جنہوں نے دوسرے نبیوں کی تصدیق کی لیکن آپ اپنی رسالت کو تسلیم کرانے کے سلسلہ میں ایسی چیز نہیں لائے جو آنکھوں کو غافل کرے یا حواس کو پریشان کرے یا جذبات کو حیرت زدہ کرے لیکن آپ نے ہر قوت سے عمل کا مطالبہ کیا جس کے لئے وہ تیار کی گئی ہے اور اپنے خطاب میں عقل کو خاص کیا اور غلط اور درست کام کے سلسلہ میں اسی کو ثالث بنایا، اور آپ نے کلام کی قوت، بلاغت کی سلطنت اور دلیل کی صحت کو اپنی حجت کی انتہاء بنایا اور حق کی نشانی بنایا جس کے نہ سامنے سے باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے آسکتا ہے اور وہ حکمت والے، قابل تعریف ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ (رسالۃ التوحید)

﴿جھونپڑی اور محل﴾

از سید مصطفیٰ لطفی المنفلوطیؒ [1]

اگر میں کسی نعمت کی وجہ سے کسی سے حسد کرنے والا ہوں تو میں جھونپڑی والے سے اس کی جھونپڑی پر حسد کروں گا قبل اس کے کہ میں محل والے سے اس کی محل پر حسد کروں اور اگر اوہام وخیالات کی دلوں پر حکمرانی نہ ہوتی تو غریب لوگ مالداروں کے سامنے کبھی حقیر نہ ہوتے اور نہ ہی امیروں کا اس بات پر ناک پھولتا (غصہ آتا) کہ غریب لوگ ان کو اللہ کے سوا اپنا بنائیں، میں کسی مال دار پر رشک نہیں کھاتا مگر اس کے مواقع میں سے ایک موقع میں وہ یہ کہ اگر میں اس کو دیکھوں کہ وہ بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے، نادار کے ساتھ غمخواری کرتا ہے اور اس یتیم پر اپنے مال سے مہربانی کرتا ہے جس سے زمانہ نے اس کا باپ چھین لیا ہو اور وہ ان بیوگان پر بھی مہربانی کرتا ہے جس کو تقدیر نے اس کے معاش کے سلسلہ میں دکھی کر دیا ہو لیکن میں اس امیر پر غم وافسوس کا اظہار کروں گا اگر اس کو دیکھوں کہ وہ کسی غریب آدمی پر مصیبت کے پڑنے کا منتظر ہے تاکہ شیطان کو اس انسان کے دل میں گھسنے کا موقع ملے اور وہ غریب اس تلچھٹ کو چوسے جو اس کے مال میں سے بچ گئی ہے تاکہ وہ اپنی آرزو کو پورا کرلے اور میں اس پر اظہار غم کروں گا اگر اس کو دیکھوں کہ اس کا خیال یہ ہے کہ مال ہی انسانی کمالات کی انتہاء

[1] سید مصطفیٰ لطفی، منفلوط میں پیدا ہوئے، منفلوط مصر میں اسیوط شہر کا کوئی ضلع ہے، آپ نے وہاں قرآن کریم حفظ کیا اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی اور شیخ محمد عبدہ کے دروس میں خصوصی طور پر پابندی سے شریک ہوتے رہے، پھر آپ اہل بلاغت کی کتب اور شعراء کے دیوان پڑھنے اور یاد کرنے میں مشغول رہے۔ آپ ایک ماہر ادیب تھے، آپ کا کلام منثور شیرینی اور حلاوت پیدا کر دیتا ہے، آپ نازک حس رکھنے والے، نرم مزاج، خوش قلم اور شیریں بیاں تھے۔ آپ ''المؤید'' اخبار میں ''نظرات'' کے عنوان سے لکھا کرتے تھے، جس کو نوجوان اور ادباء بڑے شوق سے پڑھتے، ان مقالات کو ''نظرات'' میں یکجا کیا گیا ہے نیز آپ کی ایک کتاب ''العبرات'' بھی ہے اور مختارات المنفلوطی بھی ہے آپ کی وفات ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔

ہے، پس وہ کسی اعلیٰ چیز کی طمع نہیں رکھتا، اور نہ ہی کسی گھٹیا چیز پر اپنے آپ کا محاسبہ کرتا ہے اور اس پر افسوس کا اظہار کروں گا اور اس کی عقل پر رووں گا اگر وہ متکبرانہ چال چلے اور اپنی گردن کو آسمان کی طرف لمبا کرے اور آنکھ کے اشارہ اور ہتھیلی کے اشارہ سے سلام کرے اور اور راستہ پر چلے تو کن اکھیوں سے دیکھے کہ آیا لوگ اس کی چال کے آگے سجدہ ریز ہو گئے ہیں یا اس کے دبدبہ سے بے ہوش ہو گئے ہیں اور میں اس پر بہت ترس کھاؤں گا اگر وہ بخیل، کمینہ اور اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے لئے کنجوس بن کر زندگی گزارے اپنی قوم اور اپنے گھر والوں کی نظر میں ناپسند ہو کہ وہ اس کی زندگی پر عیب لگائیں اور اس کی موت کی گھڑی کا انتظار کریں لیکن غریب آدمی زندگی کے اعتبار سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوش بخت ہوتا ہے اور سب لوگوں میں زیادہ خوش دل ہوتا ہے مگر جب وہ جاہل اور فریب خوردہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ مال دار اس سے زیادہ خوش نصیب ہے اور اس سے زیادہ خوشگوار زندگی والا اور پرسکون دل والا ہے، پھر وہ اس سے اس نعمت پر حسد کرتا ہے جو اللہ نے اس پر مکمل کی ہے اور خود اپنے گھر کے ایک کونے میں پریشان اور غمزدہ ہو کر بیٹھا رہتا ہے آہیں بھرتا ہے اور آنسو بہاتا ہے، اگر وہ جاہل اور بے وقوف نہ ہوتا تو وہ جانتا کہ بہت سے محل ایسے ہیں جو غریب کی جھونپڑی اور اس کی سی زندگی کی تمنا کرتے ہیں اور وہ دیکھتا (جانتا) کہ وہ کمزور چراغ جو اپنے آپ کو روشن نہیں کر سکتا اس کی بتی زیادہ اونچی ہے اور اس کی چمک ان زبردست لائٹوں سے زیادہ ہے جو اس کے سامنے چمکتی ہیں اور یہ کہ اس کا بالوں یا اونٹ وغیرہ کے بالوں کا بنا ہوا گدا چھونے کے اعتبار سے زیادہ ملائم اور بستر کے لحاظ سے زیادہ نرم ہے (ان امیروں کے) ریشم کے بنے ہوئے تکیوں اور دیباج کے بنے ہوئے سرہانوں سے (بلکہ) بہت سے لوگوں میں یہ کمزوری اور کم ظرفی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ مال داروں کو اس لئے (زیادہ) اہمیت دیتے ہیں کہ وہ مال دار ہیں اگرچہ ان کو ان (مالداروں) سے اتنی چیز بھی حاصل نہ ہو جو ان کی پیاس کی شدت کو تر کر دے یا حلق میں لگے ہوئے لقمہ کو حلق سے اتار دے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ اگر مال کا اکرام اور احترام ضروری ہے جہاں بھی وہ پایا جائے تو پھر وہ صرافوں کے ہاتھ کیوں نہیں چومتے اور ان کتوں کے احترام میں کھڑے کیوں نہیں ہو جاتے جن کے گلہ میں سونے کا پٹا پڑا ہو، اور وہ جانتے ہیں کہ ان میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر غریب لوگ بخیل مالداروں سے ایسا سلوک کرتے جیسا سلوک ان کے ساتھ کیا جانا ضروری ہے تو وہ مالدار لوگ ضرور اپنے دلوں میں وحشت

محسوس کرتے اور خوب سمجھتے کہ سونے کی یہ تھیلیاں جن کو وہ جمع کرتے ہیں وہ اصل میں زہریلے خطرناک سانپ ہیں جوان کے قدموں سے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ ایسے طوق ہیں جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ضرور جان لیتے کہ شرافت (عظمت) کمال ادب میں ہے نہ کہ سونے کی جھنکار میں، اعمال کے عظیم ہونے میں ہے نہ کہ مال کے بوجھ میں، پس لوگوں کو شرفاء کی تعظیم کرنی چاہیے اور مال داروں کی تحقیر کرنی چاہئے اور جان لینا چاہئے کہ شرف وعزت، مالداری اور ناداری سے ماوراء کوئی چیز ہے اور یہ کہ خوش نصیبی جھونپڑی اور محل سے وراء کوئی چیز ہے۔ (النظرات للمنفلوطی)

﴿سید احمد شریف السنوسیؒ﴾

از امیر شکیب ارسلان[1]

جس وقت میں ۱۹۲۳ء کے اواخر میں آستانہ آیا اور یہ جنگ کے بعد میرا پہلی بار یہاں آنا ہوا تھا تو میں نے مشاغل کی مشقت سے راحت حاصل کرنے اور طویل لڑائی کے بعد اپنے جی کو سکون پہنچانے کی خاطر یہ فیصلہ کیا کہ میں ایک چھوٹے سے شہر میں ٹھہروں گا جس میں میرے لئے گوشہ نشینی کا سامان مہیا ہو اور ریاضت آسان ہو اور وہ میرے وطن شام کے بھی نزدیک ہوتا کہ میں اپنے خاص کاموں کی نگرانی اور اس میں اپنی املاک کی دیکھ بھال کر سکوں چنانچہ میں نے (شہر) مرسین کا انتخاب کیا اور وہاں میں نے قیام کر لیا، سید سنوسی کو میرے دار السعادت آنے کی خبر پہنچ گئی انہوں نے مجھے لکھا جس میں انہوں نے جلدی آنے کے بارے میں اپنے اشتیاق کا اظہار کیا اور مجھے خوش آمدید کہا، پس جب میں مرسین آیا تو میں فوراً ان کی زیارت کے لئے گیا انہوں نے اصرار کیا

---

[1] امیر شکیب ارسلان، ایک ماہر بیان اور مشرق کے عظیم انشاء پرداز ہیں، شام کے امراء خاندان میں سے ہیں آپکا نسب بادشاہ منذر بن نعمان المشہور ابوقابوس سے جاملتا ہے، آپ ۱۸۶۹ء کو شویفات میں پیدا ہوئے آپ اوائل عمر میں ہی ادب وانشاء اور سیاست سے وابستہ ہوئے اور سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے، آپ کی پرورش اسی مکتب فکر کی محبت اور عقیدۂ اسلامیہ کی محبت پر ہوئی۔ آپ ترکی کی مجلس نمائندگان کے نمایندہ منتخب بھی ہوئے، طرابلس کی جنگ میں بھی شرکت کی، اس کے بعد آپ جنیف چلے گئے جہاں آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں اور عرب کے معاملات کے دفاع میں گزاری، اپنی زندگی کے آخر میں اپنے وطن منتقل ہوئے اور دسمبر ۱۹۴۶ء کو بیروت میں انتقال فرمایا، اور شویفات میں دفن ہوئے، آپ نے وصیت کی بھی کہ انہیں اہل سنت کے طریقہ کے مطابق غسل وکفن دیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے عربی زبان میں رسوخ کے سلسلہ میں امیر شکیب ارسلان دیگر ادباء میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، آپ نے دسیوں کتابیں لکھیں، اور ہزاروں صفحات تحریر کئے، سب سے زیادہ مشہور آپ کا حاضر العالم الاسلامی پر حاشیہ ہے اور سید السنوسی کے حالات زندگی پر کتاب ہے

کہ میں ان ہی کے پاس قیام کروں اتنی دیر کہ میں شہر میں کوئی گھر کرایہ پر لے لوں۔

مجھے ان (سید سنوسیؒ) کے بارے میں پہلے سن کر جو خیال آتا تھا اسی کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خدا کی قسم میرے لئے مناسب ہے کہ میں یہ شعر پڑھوں:

کانت محادثة الرکبان تخبرنا

عن جعفر بن فلاح اطیب الخبر

حتی التقینا فلا واللہ ما سمعت

اذنی باحسن مما قد رای بصری

''یعنی سواروں کی باہم گفتگو ہم کو جعفر بن فلاح کے بارے میں بڑی اچھی خبر دیتی ہے یہاں تک کہ جب ہم ملے تو خدا کی قسم میرے کان نے اس سے زیادہ اچھی چیز نہیں سنی جو میری آنکھ نے دیکھی ہے۔''

میں نے سید سنوسیؒ کو ایک عظیم عالم، خوبصورت سردار اور استاد کبیر کی صورت میں دیکھا، آپ ان لوگوں میں سب سے زیادہ باعظمت تھے جن پر میری زندگی کے عرصہ میں نظر پڑی، وہ عظیم المرتبت، صاحب مروت وسخاوت، پختہ عقل اور نرم اخلاق رکھنے والے تھے اور آپ عالی ظرف، تیز فہم اور صائب الرائے اور قوی الحافظہ تھے اس کے ساتھ آپ باوقار بھی تھے کہ جو آپ کی انکساری کے پہلو کو کم نہیں تھا اور آپ انتہائی پرہیز گار بھی تھے جس میں ریا کار اور شہرت پسندی نہیں تھی، میں نے سنا کہ آپ رات کو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے ہیں اور اپنی ساری رات عبادت وتلاوت اور تہجد میں گزارتے ہیں، میں نے ان کو کئی بار دیکھا کہ ان کے سامنے بادشاہوں کے لائق پرتکلف دسترخوان بچھائے جاتے اور مہمان اور خواص کھاتے مگر آپ صرف ایک نوع کے کھانے پر اکتفاء کرتے بلکہ اس میں سے بھی تھوڑا سا لیتے، یہی آپ کی عادت تھی اور ہر روز ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان سبز (چائے) پینے کے لئے مجلس ہوتی جس چائے کو اہل مغرب پسند کرتے ہیں۔

آپ اس میں مہمانوں اور اپنے مصاحبین کو شریک ہونے کا حکم دیتے، ہر شخص عنبر خوشبو میں ملی ہوئی چائے کے تین تین پیالے لیتا لیکن آپ پودینہ کا ایک پیالہ لیتے، آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ عام طور پر اپنی مجالس میں (لوگوں کو) خوشبو لگاتے اور سید

سنوسیؒ گفتگو میں بے تکلف ہو جاتے اور آپ کی اکثر باتیں اللہ والوں کے واقعات، ان کے حالات اور ان کے زہد و قناعت کے بارے میں اور اپنے بزرگ سید محمد بن السنوسی اور سید مہدی وغیرہ اولیاء اور صالحین کے متعلق ہوتیں اور جب آپ علوم میں کلام فرماتے تو درست بات کہتے خواہ وہ علم ظاہر ہوتا یا علم باطن اور میں نے آپ کے اندر اس قدر صبر کا جذبہ دیکھا کہ دوسرے لوگوں میں اتنا جذبہ بہت کم پایا جاتا ہے اور (اسی طرح) میں نے آپ میں عزم کی پختگی دیکھی کہ اس کا نشان آپ کے چہرہ پر نمایاں ہوتا تھا آپ تقوی میں ابدال اور شجاعت (بہادری) میں بہادر لوگوں میں سے تھے اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ بذات خود طرابلس کی جنگ کے بہت سے واقعات میں موجود تھے آپ مسلسل دس گھنٹے سے بھی زیادہ اپنے تیز رفتار گھوڑے پر تھکے بغیر سواری کرتے اور بسا اوقات آپ بذات خود جان پر کھیل جاتے اور امراء اور لشکر کے قائدین کی پیروی نہ کرتے جو لڑائی کے میدان سے کافی دور مسافت پر پیچھے ہوتے تاکہ شکست ہونے کی صورت میں کہیں دشمن کا ہاتھ ان تک نہ پہنچ جائے، ایک مرتبہ تو قریب تھا کہ آپ اٹلیوں کے ہتھے چڑھ جاتے اور یہ خبر پھیل گئی تھی کہ انہوں نے آپ کو قیدی بنا کر گرفتار کرلیا ہے میں نے خود آپ سے اس واقعہ کے بارے دریافت کیا تو آپ نے مجھے اس واقعہ کی ساری تفصیل بیان کی، ہوا یہ کہ آپ برقہ میں تھے اٹلیوں کو جاسوسوں کے ذریعہ یہ خبر پہنچی کہ سید سنوسی مجاہدین کی ایک چوٹی میں ہیں اور اٹلیوں کے لشکر سے دور نہیں ہیں چنانچہ انہوں نے آپ کی طرف ہزاروں کی تعداد میں کمک روانہ کی ان کے پاس ان پر غلبہ پانے کے لئے خاص مہارت تھی کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ آپ اس باران کے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے، پس آپ کو ان کی پیش قدمی کی خبر پہنچ گئی، آپ کے لئے ممکن تھا کہ آپ ان کے مقابلہ سے باز آ جاتے یا خود کسی ایسی جانب چلے جاتے جہاں اس خطرے سے بچ نکلنے کی صورت ہوتی یا آپ عرب کے لئے لڑائی چھوڑ دیتے کہ وہ عرب خود ہی ان سے ٹکرائیں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور مجھ سے کہا: مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اپنے لئے نجات تلاش کی تو مجاہدین خوف و گھبراہٹ میں پڑ جائیں گے پھر ان پر مصائب آ پڑیں گے چنانچہ میں ان اٹلیوں کے آگے ڈٹ گیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جن کے مقابلہ میں تین سو جنگجو تھے اور کوئی نہیں تھا، عرب کے لوگ مر مٹے اور وہ دشمن سے ٹکرا گئے پھر جب انہوں نے مقتولوں اور زخموں کی کثرت دیکھی تو اپنی ایڑیوں کے بل واپس لوٹ گئے اور ہم ایک ایسی جانب پہنچ گئے جہاں ہمیں مجاہدین کی ایک جماعت مل گئی'' آپ نے مجھ سے کہا کہ

اس واقعہ میں افسر نجیب الحوارنی زخمی ہوا جو کہ طرابلس کی جنگ کے بہادروں میں سے بہت بڑا بہادر تھا وہ قائد لشکر تھا لیکن وہ ہر واقعہ (لڑائی) میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا تھا وہ دو مرتبہ زخمی ہوا اور تیسری مرتبہ شہید ہو گیا ،اللہ اس پر رحم کرے (لیکن) سید سنوی نے کسی ایسے پر غم نہیں کیا جس پر آپ نے اس کی زبردست بہادری اور انتہائی اخلاص کی وجہ سے غم کیا سید سنوی مجھے جبل اخضر سے لکھتے تھے ان پر کثرت سے تعریف ہو اور وہ آج ہمیشہ کے لئے مرحوم ہو چکے ہیں اور مذکورہ شہید کا نام نجیب بک بن شیخ سعد العلی ہے وہ بلاد عجلون کے مشائخ میں سے تھے، بلادِ مغرب میں ہمیشہ رہنے والی یاد چھوڑ گئے ،اور سید احمد شریف حاضر جواب اور رواں قلم کے مالک تھے، لکھنے سے بالکل نہیں اکتاتے تھے،آپ کی چند کتابیں بھی ہیں ان میں سے ایک بڑی کتاب ہے مجھے اس کا پتہ چلا ہے جو کہ بزرگان سنوس کی تاریخ اور ان کے مریدین اور معتقدین میں سے علماء کے واقعات پر ہے اس کتاب کی طباعت واشاعت کا ارادہ کیا جاتا تو یہ کتاب اہل سنوس کے واقعات کی معرفت پر بہترین کتاب ہوتی۔

سید احمد سنوسی اور ان کی بیٹے سید المھدی کے مطالعہ اور سید احمد شریف کی گفتگو سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگوں کا طریقہ عملی طریقہ تھا جو کتاب وسنت کے مطابق تھا وہ طریقہ اذکار اور اوراد (وظائف) میں منحصر نہیں تھا کہ اسلام کے فرائض کا اہتمام نہ ہو جیسا کہ شروع زمانہ میں تھا ،اور یہی وجہ ہے کہ ان (لوگوں) کو جہاد کی توفیق ملی اور وہ اٹلی جیسی عظیم حکومت کے سامنے کھڑے ہو گئے تیرہ سال تک اگر وہ نہ ہوتے تو وہ (حکومت) طرابلس اور برقہ کی شروع مہینہ میں ہی ان پر حملہ کرنے کے وقت سے مالک ہو جاتی۔لوگ ذکر کرتے ہیں کہ اٹلی والوں نے طرابلس اور برقہ دونوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے آنے کے فوراً بعد سے لے کر پندرہ دن تک کا وقت مقرر کیا تھا جبکہ سامراجی لڑائیوں کے دوران تجربہ کار انگریزوں کے افسران اور دیہاتیوں نے کہا کہ اہل اٹلی نے پندرہ دن کے اندر طرابلس کی زمین پر قبضہ جمانے کے خیال اور اس خوش فہمی میں حد سے تجاوز کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تین ماہ تک طول پکڑ سکتا ہے چنانچہ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ مدت جو جنگ کے ارکان نے اٹلی میں پندرہ دن مقرر کی تھی اور انگلستان میں لڑائی کے ارکان نے تین مہینہ مقرر کی تھی اس نے پورے تیرہ سال طول پکڑا اور آج کی لڑائی ایسی تھی جیسا کہ آغاز میں تھی اور یہ سب کچھ سنوسیہ کے بزرگوں کے طفیل تھا خصوصاً سید احمد شریف کی مہربانی کا نتیجہ تھا سلطان عبد الحمید کے دور میں اہل یورپ

،سلطان سے سنوسی کی تحریک (سرگرمی) کی شکایت کرتے تھے اور سنوسی کی تحریکوں اور صف بندیوں سے خوف محسوس کرتے تھے اور وہ اس چیز کو افریقہ میں یورپی دعوت کے لئے سنگین خطرہ خیال کرتے تھے اور بسا اوقات یورپین ممالک سلطان پر اس بات کا دباؤ ڈالتے کہ وہ سید المھدی کو آستانہ (عثمانیہ کا دارالخلافہ یعنی قسطنطنیہ) بلائے اور اس کو یہیں قیام کرنے کا حکم دے اور ان کو دوبارہ اپنے وطن جانے کی اجازت نہ دے۔تاکہ اہل یورپ کے لئے وسط افریقہ کو تقسیم کرنے کی فضا خالی ہو (ہموار ہو) اور ان علاقوں میں اسلامی شوکت کو توڑ سکیں مگر سلطان عبدالحمید ان ممالک کو ٹالتے رہتے اور مختلف عذران سے کرتے بلکہ وہ سنوسی کے ساتھ تحائف اور خطوط کے ذریعہ نرمی برتتے یہاں تک کہ سنوسی کے معاملہ میں سلطان مذکور پر ان کا دباؤ بڑھ گیا چنانچہ انہوں نے ایک آدمی جس کا نام عصمت بک تھا بنغازی اور وہاں سے جغبوب روانہ کیا ایک مامور فوجی دستہ کے ساتھ، ادھر سید المھدی کو خبر ملی کہ دعوت سنوسیہ کے معاملہ میں ان ممالک کے دباؤ کے متعلق سلطان تردد میں مبتلا ہے سید المھدی نے ان کو جواب دیا جو میں نے تاریخ میں پڑھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی انہوں نے جواب میں ایسی بات کہی جو نہ کسی منفی امر کو مشتمل ہے نہ کسی مثبت امر کو، سید المھدی نے ان کے سامنے صرف ایسی آیات کریمہ تلاوت کیں جن کا تعلق توکل علی اللہ سے تھا، لیکن سید المھدی اس کے بعد وہاں نہیں ٹھہرے آپ جغبوب چھوڑ کر کفار کی سرسبز زمین میں چلے گئے اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کی اس کو وسط صحرا میں جنت بنایا تھا اغلب یہ ہے کہ ان کے جغبوب کی شاداب زمین جو مصر اور برقہ کے قریب بھی تھی، سے کفار کی سرسبز زمین کی طرف جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا تھا اور یہ جگہ سوڈان کے دروازوں پر واقع ہے ان دونوں کی وجہ آپ کا گوشہ نشینی سے اطمینان حاصل کرنا اور سرکاری کنٹرول کے مراکز سے خود کو دور رکھنا اور ایسی جگہوں سے باہر رہنا تھا جہاں سامراجی حکومتوں کا دخل تھا بایں صورت کہ آپ ان جگہوں میں گوشہ نشین ہو گئے جو (جگہیں) بے آب وگیاہ جنگل وبیابان میں گھری ہوئیں اور ایسی قوم سے آباد تھیں جو ہمیشہ سے فطرت پر قائم رہے یہاں آکر آپ اپنی دعوت کو پھیلانے میں آزاد ہو گئے جہاں ان تک کوئی ہاتھ (طاقت) دباؤ ڈالنے کے لئے نہ پہنچتا اور نہ ان کی بات کے اوپر کوئی بات غالب ہوتی ،آپ ان اقوام کی تہذیب (تربیت) کے لئے متوجہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تربیت کی بعد اس کے کہ وہ جہالت کے جنگل میں بے ہدایت پھرتے تھے،اب وہ زمین ہی بدل گئی اور ان لوگوں کے اخلاق میں ایسا انقلاب آیا کہ عقلوں کو حیران کرتا

ہے، آپ کی روحانی دعوت صرف جنگل کے اطراف اور شہر کے نواح تک محدود نہ تھی بلکہ آپ نے اپنے مبلغین کو وسط افریقا میں بھی بھیجا۔ چنانچہ ان میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسنی، شیخ حمودہ المقعاوی، سید طاہر الدغماری اور دیگر شخصیات شامل ہیں جو شہر کے اطراف و نواح میں داعی اور ہادی بن کر داخل ہوئے سید المہدی یورپی مبلغین کی تنظیمات کے سب سے بڑے حریف تھے جو سارے براعظم افریقہ میں پھیلے ہوئے تھے اور سید المہدی کے ہاتھوں اور ان کی تیز دعوت کے سبب لاکھوں حبشی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس لئے ان کی تمام مبلغین کی تنظیمیں اپنے غم کا شکوہ کرتیں اور وسط افریقہ میں اسلام کی کامیابی پر اپنی شدید پریشانی کا شکوہ کرتیں جیسے تیجمہ کونغو اور کامرون کے شہر اور بحیرہ تشاد کے علاقے، اور ان کے اکثر شکوے سنوسی طریقہ سے ہوتے جیسا کہ ہم نے اس کا یورپ کی متعدد کتابوں میں مطالعہ کیا ہے یہ تو روحانی قوت کے اعتبار سے ان کا ذکر تھا، بہرحال ان کی مادی قوت کا ذکر تو سید المہدی صحابہ و تابعین کا طرز عمل اختیار کرتے تھے، آپ عمل کو چھوڑ کر عبادت پر قناعت نہیں کرتے تھے اور جانتے تھے کہ قرآن کے احکام سلطان کے محتاج بنے ہوئے ہیں، آپ اپنے بھائیوں اور اپنے مریدوں کو ہمیشہ شہسواری اور تیر اندازی کی ترغیب دیتے تھے اور ان میں خودداری اور مستعدی کا جذبہ ابھارتے اور ان کو گھڑ سواری اور شمشیر زنی پر ابھارتے اور ان کی نظروں میں جہاد کی فضیلت کو عظیم بناتے اور آپ کے وعظ کا لگا ہوا درخت بہت سی جگہوں میں ثمر بار ہوا، خصوصاً طرابلس کی جنگ میں، جس میں سنوسی نے ثابت کر دکھایا کہ ان کے پاس مادی قوت موجود ہے جو بڑے بڑے ملکوں کی قوت کے مشابہ ہے اور قوت و عظمت کے لحاظ سے ان بڑے ملکوں کے مشابہ ہے صرف جنگ طرابلس ہی سنوسیوں کی قوت کا مظہر نہیں تھی بلکہ مملکت کانم اور مملکت وادای میں جو کہ سوڈان کا حصہ ہیں، اہل فرانس کے ساتھ بھی ان کو جنگوں کا سابقہ پڑا جو ۱۳۱۹ھ سے ۱۳۳۲ھ تک جاری رہی۔ سید احمد شریف نے مجھے بتایا کہ صرف ان کے چچا المہدی کے پاس پچاس بندوقیں تھیں اور وہ ان (بندوقوں) کو اپنے ہاتھ سے صاف ستھرا کر کے خیال رکھتے تھے اور اس بات پر قصداً اور دانستہ طور پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ ان کے پیروکاروں میں سے کوئی بھی ان کو صاف کرے جن کی تعداد سینکڑوں میں تھی تا کہ لوگ ان کی پیروی کریں اور جہاد جیسے معاملہ کا اور اس کے لئے ساز و سامان کا خوب اہتمام کریں۔

جمعہ کا دن تو جنگی مشقوں کے لئے مخصوص تھا گھڑ سواری تیر اندازی جیسے کاموں کے لئے، آپ خود نگرانی کی اونچی جگہ میں بیٹھ جاتے اور شہسوار دو صفوں میں تقسیم ہو جاتے

اور یوں گھوڑسواری شروع ہوتی جو دن کے آخر حصہ میں ہی جا کر ختم ہوتی اور بعض اوقات وہ ایک نشان مقرر کرتے اور تیراندازی شروع کرتے حتی کہ تم طلباء علم اور مریدین کو اکثر شہسوار اور تیرانداز دیکھتے ہو کیونکہ آپ ان کو اکثر ایسی مشق کراتے تھے آپ ان لوگوں کو جنگ کے فضائل کی ترغیب دینے کی غرض سے قیمتی انعامات بھی دیتے تھے جو گھوڑسواری میں سبقت لے جاتے اور تیراندازی میں ان کا نشانہ ٹھیک لگتا، جیسا کہ ہر ہفتہ میں جمعرات کا دن ان کے ہاں دست کاری کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ وہ اس دن تمام اسباق چھوڑ دیتے تھے اور مختلف مشغلوں میں مشغول ہو جاتے جیسے صنعت، تعمیر، بڑھئی گری، لوہار گری، بنائی اور صحافت وغیرہ۔ تو اس دن ان میں سے کسی کو نہیں پائے گا مگر وہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے والا ہوگا سید المھدی خود اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور وہ سست نہیں پڑتے تھے یہاں تک کہ آپ ان میں کام کی سرگرمی کا جذبہ بیدار کرتے، سید المھدی اور ان کے والد اس سے پہلے ہی کاشت کاری اور شجرکاری کا خوب اہتمام کرتے تھے، اس بات پر وہ خانقاہیں دلالت کرتی ہیں جن کو انہوں نے تعمیر کیا تھا اور وہ باغات، جن کو انہوں نے اس کے پڑوس میں ترتیب سے لگایا تھا، پس تو کوئی خانقاہ نہیں پائے گا مگر اس کا ایک باغ یا دو باغ ہوں گے اور وہ دور دراز ملکوں سے مختلف قسموں کے عجیب عجیب درخت اپنے شہروں میں لاتے تھے اور انہوں نے کفرہ اور جغبوب میں کھیتیاں اور درخت لگا دیئے جہاں کسی کو ان چیزوں کا خیال بھی نہیں آیا تھا بعض طلباء سید محمد السنوسیؒ سے درخواست کرتے تھے کہ وہ ان کو کیمیا گری کا طریقہ سکھا دیں تو آپ ان سے کہتے کیمیا تو ہل کی پھال کے نیچے ہے، اور کبھی ان سے کہتے کیمیا ہاتھ کی کوشش اور پیشانی کا پسینہ ہی تو ہے، (یہ دراصل کام کرنے اور مشقت جھیلنے سے کنایہ ہے) آپ طلباء اور مریدین کو صنعتوں اور پیشوں کے اختیار کرنے کا شوق دلاتے تھے اور ان سے ایسے جملے کہتے تھے جو ان کے دلوں کو خوش کر دیتے اور صنعتوں میں ان کی دلچسپی بڑھ جاتی تاکہ وہ ان پیشوں کو حقیر نہ جانیں یا یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ان کا طبقہ علماء کے طبقہ سے ادنیٰ ہے، آپ ان سے کہتے تھے کہ دین میں سے اچھی نیت اور شرعی فرائض کی بجا آوری تمھارے لئے کافی ہے اور کوئی دوسرا تم سے افضل نہیں ہے اور کبھی آپ خود کو پیشہ وروں کے درمیان شامل کر لیتے اور ان سے کہتے جب کہ آپ ان کے ساتھ مشغول ہوتے اہل اوریقات اور اہل سبحات گمان کرتے ہیں کہ وہ عنداللہ ہم پر سبقت لے جائیں گے، نہیں خدا کی قسم! وہ ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ اہل اوریقات سے آپ کی مراد علماء اور اہل سبحات سے عابد و زاہد لوگ ہیں گویا آپ

پیشہ ور لوگوں اور صنعت کاروں کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم یہ نہ سمجھوں کہ تم علماء اور بزرگوں سے مرتبہ کے لحاظ سے کم ہو صرف اس وجہ سے کہ تم کاری گر اور کام کرنے والے ہوا اور وہ علماء اور قراء ہیں، اس بات سے ان کی رغبت اور شوق اور بھی بڑھ جاتا، آپ لوگوں کو صنعت کاری کی فضیلت کی تعلیم دیتے کہ مدنیت (شہریت) اسی کے ساتھ قائم ہے۔

یہ گروہ عملی ہے کہ عمل وسلوک کے بغیر صرف تلاوت اور ذکر پر اعتماد نہیں کرتا، بلکہ تمام شرعی اعمال اور انتہائی درجات تک صوفیانہ تجرد (دنیا سے دوری) کو جامع اور ظاہر وباطن دونوں کو ایسی ترتیب کے ساتھ مرتب کرتا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کو اس کی توفیق نہیں ہوئی اور معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ کے بانی سید محمد بن علی سنوسی اور ان کے دو بیٹے سید المھدی اور سید شریف اور ان کے بڑے بڑے مددگار جیسے سید احمد الریفی، سید عمران بن برکہ، سید احمد تواتی، سید عبدالرحیم بن احمد، سید عبد اللہ سنی اور سید ابوالقاسم عیساوی وغیرہ حضرات اعلیٰ اخلاق اور بلند صفات کے حامل تھے، جن پر ان کے اقوال اور ان کے افعال دلالت کرتے ہیں۔

سید احمد شریف نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے چچا استاذ المھدی ان سے فرمایا کرتے تھے: کسی کو بھی حقیر نہ جانو نہ مسلمان کو نہ کسی عیسائی کو اور نہ کسی یہودی کو اور نہ کسی کافر کو، ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں فی نفسہ تجھ سے افضل ہو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تمھارا خاتمہ کیسا ہوگا، اس طرح کے آداب کی وہ اپنی اولاد اور مریدوں کو تعلیم دیتے تھے چنانچہ ان میں ایسے چوٹی کے لیڈر اور بہادر لوگ پیدا ہوئے جن کے ذکر سے تاریخ مزین ہے اور آج ان کے ہار کا عمدہ جوہر سید احمد شریف ہیں جن کے حالات کا ہم ذکر کر رہے ہیں مذکورہ بالا سید صاحب کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو چکی ہے مگر اس عمر تک پہنچنے پر ان کی (ظاہری) حالت دلالت نہیں کرتی کیونکہ ان کے بالوں میں سفیدی نادر ہے اور آپ خوش شکل اور خوب رو، فربہ جسم اور جسمانی ساخت کے لحاظ سے مضبوط ہیں، جو بھی ان کو دیکھتا ہے ان کا اکرام واحترام کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔[1]

---

[1] سید احمد شریف سنوسی نے ذوالقعدہ ۱۳۵۱ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

مصنوعی دین

از ڈاکٹر احمد امین [1]

کیا تمہیں اصلی ریشم اور مصنوعی ریشم کے درمیان فرق معلوم ہے؟ کیا تمہیں شیر اور شیر کی تصویر کے درمیان فرق معلوم ہے؟ کیا تمہیں خارج میں موجود دنیا اور نقشہ پر موجود دنیا کے مابین فرق معلوم ہے؟ کیا تمہیں بیداری میں عمل کرنے اور خواب میں عمل کرنے کے درمیان فرق معلوم ہے؟ اور کیا تمہیں اس انسان کے درمیان جو زندگی کی حالت میں دوڑتا ہے اور وہ انسان جو چونے گچ کا بنا ہو اور اسے مارکیٹ میں رکھا گیا ہوتا کہ لباس اس پر دکھایا جائے ان کے درمیان فرق معلوم ہے؟ اور کیا تم آنکھوں میں سرمہ لگانے اور سرمگیں آدمی کے مابین فرق جانتے ہو؟ اور کیا تم اس تلوار کے درمیان جس کو کسی جنگجو سپاہی نے پکڑا ہو اور اس لکڑی کی تلوار کے درمیان فرق جانتے ہو جس کو خطیب جمعہ کے دن پکڑتا ہے؟ اور کیا تم زندگی کی حالت اور پردہ سینما پر لوگوں کے درمیان فرق کو جانتے ہو؟ اور کیا تم آواز اور صدائے بازگشت کے درمیان فرق جانتے ہو؟ اگر تم اس فرق کو جانتے ہو تو بعینہ یہی فرق ہے سچے دین اور مصنوعی دین کے درمیان...... بحث کرنے

[1] احمد امین ۱۸۸۶ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے، جامعہ ازھر اور شرعی عدالت کے سکول میں داخلہ لیا اور قاضی بن کر فارغ ہوئے، انگریزی سیکھی، آپ علمی مقالات اور ادبی مباحث کے حوالے سے مشہور ہوئے، ۱۹۳۶ء میں آپ اول انعام کے ساتھ بطور مدرس مقرر ہوئے کچھ ہی عرصہ کے بعد کلیہ (کالج) کے سربراہ مقرر ہوئے، اور ۱۹۴۸ء میں آپ کو اول انعام کے ساتھ ڈاکٹر کا لقب ملا، نیز جامعہ عربیہ میں ادارہ ثقافت کے مدیر منتخب ہوئے، تقریباً تیس سال تک ترجمہ و تالیف کی کمیٹی کے نگران رہے، اور بہت سی کتب کی طباعت ان کی زیر نگرانی ہوئی، آپ کی وفات ۱۹۵۴ء کو ہوئی، آپ کی سب سے زیادہ مشہور اور منشور تالیفات میں "فجر الاسلام" کی کتب کا سلسلہ ہے، نیز "ضحیٰ الاسلام" بھی ہے اس کے علاوہ آپ کی ایک کتاب "فیض الخاطر" ہے جو مقالات کی شکل میں سات جلدوں میں ہے استاذ احمد امین اس دور کے بڑے بڑے مؤلفین میں سے ہیں۔
آپ کی انشاء میں سادگی، بے تکلفی اور خوش نمائی کا عنصر غالب ہے ابحاث علمی ابحاث میں آپ کا شاندار اور مستحکم اسلوب ہے۔ اس حوالے سے کچھ تفردات بھی ہیں جو علماء کے خلاف ہیں۔

والوں نے اپنے ذہنوں کو تھکا دیا اور تاریخ لکھنے والوں نے اپنے کاغذات اور دستاویزات کی ورق گردانی میں خوب کوشش کر لی اس امر کا سبب معلوم کرنے کے لیے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان نے شروع میں انوکھے کام کیئے، چنانچہ انہوں نے چڑھائی کی اور فتح حاصل کی اور سردار بن گئے اور آخر دور کے مسلمانوں نے بھی انوکھے کام کیئے مگر وہ کمزور ہو گئے اور پستی کا شکار ہو گئے، حالانکہ قرآن وہی قرآن ہے اور اسلام کی تعلیمات وہی اسلام کی تعلیمات ہیں اور لا الہ الا اللہ وہی لا الہ الا اللہ ہے اور ہر چیز وہی ہے، انہوں نے اس کی علت بتانے میں مختلف راستے اختیار کیئے اور متعدد راہوں پر چلے، جبکہ میں اس کا صرف ایک ہی سبب سمجھتا ہوں اور وہ ہے سچے دین اور مصنوعی دین کے درمیان فرق، مصنوعی دین چند حرکات وسکنات اور الفاظ کا نام ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں جبکہ سچا دین ایک روح وقلب اور غیرت کے دین کا نام ہے، مصنوعی دین میں نماز (محض) ورزشی کھیل ہے اور حج حرکت کرنے والا آلہ اور بدنی سفر ہے اور دینی مظاہر ایک ڈرامے جیسے کام ہیں یا مداریوں جیسی مشکلیں ہیں۔ لا الہ الا اللہ مصنوعی دین میں ایک خوبصورت قول ہے جس کا کوئی مفہوم نہیں لیکن سچے دین میں یہی سب کچھ ہے (سچے دین میں) یہ کلمہ مال کی عبادت کے خلاف ایک بغاوت ہے، حاکم کی عبادت کے خلاف ایک بغاوت ہیاور جاہ منصب کے خلاف ایک بناوٹ ہے اور خواہشات کے خلافت ایک بناوٹ ہے اور اللہ کے سوا ہر معبود کے خلاف ایک بناوٹ ہے جب کہ کلمہ لا الہ الا اللہ مصنوعی دین کے اندر سر کے جھکانے اور خواہش بدن کی تابعداری کے ساتھ بھی موافقت کرسکتا ہے اور ذلت وعاجزی کے ساتھ بھی موافقت کرسکتا ہے جبکہ لا الہ الا اللہ سچے دین کے اندر حق کے ساتھ ہی مطابقت کھا سکتا ہے۔ لا الہ الا اللہ مصنوعی دین کے اندر ہوا کے (چلنے) کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے جبکہ دین حق میں پہاڑ بھی ہل جاتے ہیں۔ مصنوعی دین ایک صنعت ہے جیسے تجارت اور پارچہ بافی کی صنعت ہوتی ہے جس میں کوئی ماہر شخص اپنی مہارت اور مشق (ٹریننگ) کے ذریعہ ماہر بن سکتا ہے لیکن دین حق، روح وقلب اور عقیدہ کا نام ہے (صرف) عمل نہیں بلکہ وہ ہر عظیم کام اور اچھے عمل پر ابھارتا ہے دین حق ایک اکسیر ہے جب وہ مردہ میں اترتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور کمزور میں جائے تو وہ طاقتور ہو جاتا ہے، وہ فلاسفہ کا وہ پتھر ہے جس کو وہ پیتل چاندی اور سیسہ میں رکھیں تو سونا بن جائے، اور ایسا عقیدہ ہے جو ایسے معجزات لاتا ہے کہ علم تاریخ اور فلسفہ اس کے آگے سرگرداں ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ کیسے دلیل وحجت بیان کی جائے اور کس طرح

تشریح کی جائے؟ وہ ایک تریاق ہے جس کو تھوڑا سا بھی استعمال کیا جائے تو زندگی کا دار زہر ختم کر دیتا ہے، وہ ایک ایسا کیمیائی عنصر ہے کہ اگر اس کے ساتھ دینی شعائر ملیں تو تجھے خدا تک اڑا کر لے جائے؟ اور دنیاوی اعمال اس کے ساتھ ملیں تو تو گھاٹیوں کو زیر کر لے خواہ وہ کتنی ہی دشوار کیوں نہ ہوں اور تجھے مقصد تک پہنچا دے خواہ وہ کتنا ہی مشکل ہو یہ وہی (سچا دین) ہے جس کو ہر کامیاب ہونے والے نے پایا اور یہ وہی ہے جس کو ہر نا کام ہونے والے نے کھو دیا، یہ وہ بجلی ہے جو پہنچتی ہے تو پہیہ کو گھما دیتی ہے اور عمل کو چلا دیتی ہے اور جب یہ منقطع ہوتی ہے تو پھر نہ کوئی حرکت ہوتی ہے اور کوئی کام، یہ وہ چیز ہے جو تاروں میں آتی ہے تو دھن پیدا کرتی ہے جو اس سے پہلے رسی تھی اور آواز میں آتی ہے تو اس سے نغمہ پیدا ہوتا ہے جو اس سے پہلے محض ہوا تھی سچا دین اپنے صاحب کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس کی خاطر جئے اور اس کے لئے لڑے اور مصنوعی دین اپنے صاحب کو اس پر اکساتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ زندہ رہے اور اس کے ساتھ تجارت کرے اور اس کے ذریعہ حیلہ سازی کرے۔ دین حق کا عامل ہر اقتدار پر غالب اور ہر سیاست پر فائق ہے جبکہ مصنوعی دین اپنے صاحب کو اس پر ابھارتا ہے کہ وہ دین کو مروڑے تا کہ حکام کی خدمت کرے اور سیاست کی خدمت کرے۔ دین حق قلب وقوت کا نام ہے اور مصنوعی دین نحو وصرف، اعراب و بحث وتاویل کا نام ہے اور دین حق روح وخون کے ساتھ رچنے بسنے اور حق کے لئے غضبناک ہونے اور ظلم سے نفرت کرنے اور انصاف کو ثابت کرنے میں مر جانے کا نام ہے جبکہ مصنوعی دین بڑی دستار اور چمکتے ہوئے چوغے اور لمبی آستینوں والے جبے کا نام ہے۔ دین حق کر اندر ''شہادت'' وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔

اور مصنوعی دین میں ''شہادت'' جملہ کے اعراب، متن کی تخریج اور شرح کی تفسیر اور حاشیہ کی توجیہ اور مؤلف کے قول اور اس پر اعتراض کی تصحیح کا نام ہے۔

دین حق، انسان کے ساتھ حسن تعلق اور ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ حسن تعلق کا نام ہے تا کہ تمام انسانوں کا اللہ کے ساتھ حسن تعلق قائم ہو اور مصنوعی دین نام ہے کسی صاحب کا کسی انسان کے ساتھ روزی کی حصول یا کسی عہدہ کے حاصل

کرنے یا نفع کے حصول یا نقصان کے دفعیہ کے لئے اچھا تعلق قائم کرنا یقیناً سچ کہا ہے
جس نے یہ کہا: بلاشبہ اس امت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح اسی طریقہ پر ہوسکتی ہے
جس طریقہ پر اس مت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی، کیا اس کے اول حصہ میں صرف
روح والا دین نہیں تھا اور اس کے آخر میں محض مصنوعی دین نہیں ہے؟ ہر دین والے
کا قصور یہ ہے کہ وہ (زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ) اس کی روح سے دور ہوتے گئے
اور اس کی صرف صورت کو محفوظ رکھا اور وضع قطع کو بدل دیا اور تقدیر کو بدل ڈالا، چنانچہ
روح کی کوئی حیثیت نہ رہی اور شکل وصورت ہی کی ساری حیثیت ہوگئی ایمان کی شان
عشق کی شان جیسی ہے جو بروت (ٹھنڈک) کو حرارت سے اور گمنامی کو شہرت سے اور
برائی کو اچھائی سے اور خودغرضی کو جذبہ ایثار سے بدل دیتی ہے اور ایمان حق جادو کی چھڑی
کی طرح ہے جو کسی چیز کو مس نہیں کرتی مگر اس کو بھڑکا دیتی ہے اور نہ کسی جامد چیز کو چھوتی
ہے مگر اس کو پگھلا دیتی ہے اور نہ کسی مردہ چیز کو چھوتی ہے مگر اس کو زندہ کر دیتی ہے کون
ہے جو مجھ سے یہ مصنوعی دین اپنی تمام چیزوں سمیت لے لے اور مجھے بلند تر مفہوم کے
ساتھ دین حق کا ایک ذرہ بیچ دے۔

ولی کبد مقروحة من یبیعنی ❁ بها کبدا لیست بذات قروح

یعنی میرا جگر زخمی ہے کون ہے جو میرے ہاتھ اس کے بدلہ ایسا جگر بیچ دے جو
زخمی نہ ہو۔ (الثقافة)

حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از ڈاکٹر طہ حسین[1]

سلام بن جبیر القرظی، ہر سال کی طرح اس بار بھی ملک شام سے ایک بڑا تجارتی سامان لے کر آئے جس میں مختلف قسم کا سامان اور مختلف انواع کا متاع تھا کچھ سامان تو ایسا تھا جو شام نے تیار کیا تھا اور کچھ وہ تھا جس کو اہل جزیرہ تیار کرتے تھے اور کچھ وہ تھا جس کو روم والے دمشق اور بصری لے جاتے تھے اور اس کو عرب کے اور یہودیوں کے اہل قافلہ کے ہاتھ فروخت کرتے تھے تاکہ وہ اس سامان کو ان دور دراز علاقوں تک لے جائیں جہاں قیصر کی قوت کو رسائی نہ ہوتی اور نہ وہاں تک اس کی سلطنت پہنچتی (جیسے) نجد حجاز اور تہامہ اور یمن میں...... ابھی سالم بن جبیر بنو قریظہ میں ٹھہرے نہیں تھے اور ایک طویل و دشوار سفر سے اپنے آپ کو آرام نہیں پہنچایا تھا کہ انہوں نے اپنا وہ مختلف سامان تجارت لوگوں کے سامنے پیش کیا چنانچہ اوس و خزرج میں سے یثرب کے لوگ اس پر متوجہ ہوئے اور جو یہود یثرب کے اردگرد تھے وہ بھی اس پر متوجہ ہوئے، وہ دیکھتے اور خریدتے کچھ دن نہیں گزرے تھے کہ سلام بن جبیر نے اپنا مال تجارت بیچ دیا اور اس

[1] آپ کی پیدائش ۱۸۸۹ء کو مصر میں ہوئی! آپ بچپن ہی میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، مکتب میں داخل ہوئے اور قرآن کریم حفظ کیا، جامعہ ازہر میں بھی داخلہ لیا مگر وہاں تعلیم مکمل نہ کر سکے، آپ نے عربی ادب سے وافر حصہ حاصل کیا، پیرس کا سفر کیا اور وہاں کی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، آپ جامعہ مصریہ کے کلیۃ الآداب میں بطور مدرس مقرر ہوئے اور اسی یونیورسٹی کے پرنسپل بھی منتخب ہوئے اس کے بعد آپ نے انشاء و تالیف کی جانب اپنی توجہ مرکوز کر لی، اور بعض مسائل میں جمہور علماء کے خلاف رائے قائم کی آپ کی کتاب ''الشعر الجاهلی'' نے مصر میں ہنگامہ برپا کر دیا اور بہت سے اہل علم و دین ناراض بھی ہوئے آپ ۱۹۴۹ء میں وزیر المعارف مقرر ہوئے، ڈاکٹر طہ حسین عربیت میں راسخ ہیں، آپ نے قدیم ادبی مصادر کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور کتب سیرت و تاریخ کا اسلوب پسند کیا، آپ کا ایک خاص انداز ہے جو کہ ادباء میں معروف ہے۔ آپ کا سیرۃ پر حاشیہ اور ''الوعد الحق'' کے علاوہ متعدد ادبی اور تاریخی کتابیں ہیں۔

سے کثیر مال حاصل کیا اور اگر یہ بچہ نہ ہوتا جو سلام بن مشکم نے عرب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس سے بے رغبتی دکھائی اور یہودیوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بے رخی برتی تو یقیناً سلام کا جی خوب خوش ہو جاتا اور آنے والے مہینوں میں اطمینان وخوشی سے ان کا کاروبار بڑھتا اور وہ یثرب کے قبیلوں میں گھومتے یثرب کے اردگرد عرب ویہود کے قبیلوں اور جنگل کے اطراف وجوانب میں اپنے غلام اور اپنے حلیف (اس تجارت کے لئے) بھیجتے جوان کے لئے وہ سامان لاتے جس کو وہ خود ملک شام لے جاتے تھے جب شام کی طرف روانگی کا موسم آتا لیکن یہ بچہ ان کے حلق میں اٹک جانے والے لقمہ کی طرح تھا اور دل میں ایک حسرت کا باعث تھا جس کو انہوں نے بصریٰ کے بعض اہل کلب سے معمولی اور حقیر قیمت کے عوض خرید کیا تھا اور اپنے دل میں ٹھانی تھی کہ وہ اس کو بعض اہل یثرب کے ہاتھ عنقریب فروخت کر دیں گے جس سے اس کی اس قیمت میں نفع ہوگا جس کو اس نے ادا کیا اس سے دگنا یا کئی گنا۔ لیکن عرب ویہود میں سے اہل یثرب نے سلام کو غلاموں کو لانے والے اور اس کی تجارت کرنے والے کے طور پر نہیں پہچانا چنانچہ جب اہل یثرب نے ان کو دیکھا کہ وہ ان کے سامنے اس بچہ کو پیش کرتے ہیں اور اس پیش کرنے میں اصرار سے کام لیتے ہیں اور اس کے خرید لینے کی ترغیب دیتے ہیں تو ان لوگوں کو ان کی یہ بات ناپسند آئی اور انہوں نے ان کے بارے طرح طرح کے گمان کیے (یعنی بدگمانی کرنے لگے) کسی کہنے والے نے کہا اصل میں سلام نے یہ غلام اپنے لئے خریدا تھا، اس لئے ہمیں اطمینان نہیں کہ ہوسکتا ہے اس نے اس کے اندر کوئی عیب دیکھا ہو یا کوئی آفت دیکھی ہوگی جس نے ان کو اس کے متعلق بے رغبت کیا۔ اب یہ ہمیں وہ چیز بیچ رہا ہے جس کی اب ان کو کوئی ضرورت نہیں ہے اور بچہ بھی ایسا ہے کہ اس کی بیماری واضح اور نقصان ظاہر وباہر ہے۔ گویا سلام کو ان لوگوں سے برائی اور ناپسندیدہ امر پیش آیا ہیاور یہ بچہ عربی زبان بھی اچھی نہیں جانتا بلکہ یہ خود اپنی ذات کے بارے میں بھی کچھ بیان کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا اور نہ یہ رومی زبان اچھی بول سکتا ہے بلکہ اس زبان کا ایک حرف بھی نہیں بول سکتا، جب اس سے اس کا آقا یا آقا کے علاوہ لوگوں میں سے کوئی اس سے بات کرتا ہے تو اس کی زبان ایسے فارسی الفاظ کے ساتھ الجھ جاتی ہے جس کو کوئی شخص نہیں سمجھ پاتا جبکہ سلام لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ بچہ بڑا ہوشیار ماہر اور نشاط (چستی) سے بھرپور ہے جبکہ اس کا حال درست ہو اور اس کو ایسا کھانا مل جائے جو اس کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کر دے اور وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ یہ بچہ شریف فارسی

خاندان کی نسل سے تعلق رکھتا ہے جو (خاندان) اصطخر سے آیا تھا یہاں تک کہ پھر ابلہ میں آ کر ٹھہر گیا پھر وسیع زمین کا مالک ہوا جس (زمین) میں قوم انباط نے کھیتی باڑی کی اور لمبی چوڑی تجارت کا مالک ہو گیا جس (تجارت) کے تصرفات عراق کے اطراف میں تھے پھر جب ان سے اس سے زیادہ اس خاندان کی خبروں کا سوال کیا جاتا تو کوئی جواب نہ دے پاتے، صرف یہ کہتے جس نے یہ بچہ مجھے فروخت کیا تھا اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جس وقت عرب والوں نے روم والوں کے ساتھ مل کر ابلہ پر حملہ کیا تھا تو اس نے اس کو اٹھالیا تھا اور پھر بنوکلب کو فروخت کر دیا تھا اور بنوکلب نے یہ بچہ بصری میں پیش کیا، ان کا مقصد اس کو عرب کے یا یہودیوں کے بعض تاجروں کے ہاتھ بیچنا تھا، میں نے اس کو دیکھا تو میرا دل اس کے لئے نرم ہو گیا اور میرا جی اس کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے طے کر لیا کہ عنقریب اس کی کوئی شان ہو گی پس میں نے اس کو خرید لیا جہاں میں نے دوسرا ساز و سامان خریدا۔ اس موقع پر لوگ اس کو کہتے (پوچھتے) تو پھر اس وقت آپ نے اس کو اپنے لئے کیوں نہیں روک لیا؟ تو وہ کہتے جو مال میں نے اس کے لئے خرچ کیا تھا وہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اور میرے نزدیک اس سے زیادہ ترجیح والا ہے میں بچہ کو لے کر کیا کروں گا نہ میں اس کی اچھی دیکھ بھال کر سکتا ہوں اور نہ یہ خود اپنی دیکھ بھال اچھی کر سکتا ہے، اور نہ ہی میرا کوئی گھر والا ہے جس کے سپرد میں اس کو کر دوں؟ مگر بچہ اس کے باوجود ذہین ماہر اور چستی سے بھرپور ہے اگر اس کا حال ٹھیک ہو جائے اور اسے ایسا کھانا مل جائے جو اس کی ٹیڑھے پن کو سیدھا کر دے، اس کی آنکھیں دیکھو کہ کیسے گھومتی ہیں اور کسی چیز پر ٹھہرتی نہیں ہیں، یہ بچہ تیز حس رکھتا ہے جو دیکھتا ہے اس کو اچک لیتا ہے مگر اس کو خوب پہچان نہیں سکتا اور ان آنکھوں کی طرف دیکھو کیسی روشن ہیں؟ گویا کہ وہ دو انگارے ہیں لیکن لوگ (ان کی بات) سنتے تھے اور ہنستے تھے اور چلے جاتے تھے اور سلام کو اس حال میں چھوڑ جاتے کہ ان کے دل میں اس مال پر حسرت باقی رہتی جو انہوں نے خرچ کیا اور اس نفع پر جس کی وہ امید لگائے ہوئے تھے۔

شیبہ بنت یعار اوسیہ ایک دن سلام کے پاس سے گزرتی ہیں اور وہ اپنی اس بچہ کو یثرب کے بازار میں پیش کر رہے تھے پس قریب نہیں تھا کہ وہ (شیبہ) بچہ کی طرف دیکھتیں حتی کہ ان کو اس پر رحم آ گیا پھر وہ اس بچہ کو دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ ان کے دل میں اس (بچہ) کو خریدنے کی رغبت پیدا ہو گئی، شیبہ نے کہا: اے ابن حمیر تیرے بچہ کا نام کیا ہے؟ سلام نے کہا بنوکلب کے جس صاحب نے یہ بچہ مجھے فروخت کیا تھا اس

کا کہنا یہ تھا کہ اس کا نام سالم ہے، شیبۃ نے کہا سالم، کس کا بیٹا؟ سلام نے کہا مجھے نہیں معلوم البتہ میں نے اس کو ایک کلبی (بنو کلب کے آدمی) سے خرید اتھا جو اپنا نام معقل بتاتا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا خاندان شریف خاندان ہے، شیبۃ متوجہ ہوئیں اور کہا: وہ خاندان اصطخر سے آیا، ابلہ میں اترا اور قوم انباط نے (ان کی زمینوں میں) کھیتی باڑی کی اور اس (خاندان) کی تجارت کو عراق کے اطراف میں پھیلایا، ہم نے یہ بات بغیر دیکھے یاد رکھی ہے، پس میں اس کی خریدار ہوں تم اس کو میرے ہاتھ کتنے میں بیچو گے؟ سلام نے کہا! ان کا دل باغ باغ ہو رہا تھا اور جی خوش رہا تھا لیکن انہوں نے اپنے چہرہ پر سنجیدگی اور احتیاط کو باقی رکھا، میں تو صرف وہی قیمت چاہتا ہوں جو میں نے خود ادا کی تھی اور جو (قیمت) میں نے خریدتے وقت اس پر خرچ کی تھی اور سلام کے درمیان معاملہ طے پا گیا اور شیبۃ اس بچہ کو لے کر اپنے گھر واپس چلی آئیں جبکہ اس یہودی نے خوب نفع کمایا اور اس شیبۃ نے بھی ایسا نفع کمایا جس کی قیمت درہموں اور دیناروں کے ساتھ مقرر نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ شیبۃ نے وہ بچہ تجارت کے لئے نہیں خریدا تھا اور نہ کمائی حاصل کرنے کے لئے خریدا تھا، انہوں نے تو صرف اس کو خرید کر بھلائی نیکی اور چھائی کو پسند کیا تھا، وہ اپنے دل میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں جب وہ بچہ کو لے کر اپنے گھر لوٹ رہی تھیں: اس زندگی کیلئے ہلاکت ہو جس زندگی میں ایک انسان دوسرے انسان پر ترس نہیں کھاتا ہو نہ اس میں طاقتور کمزور کے ساتھ شفقت کرتا ہے وہ بچہ جب پلتا بڑھتا ہے تو اپنی ماں کو نہیں پہچانتا ہوتا اور نہ باپ کو اور نہ خاندان وقبیلہ کو جس کے ہاں وہ ٹھکانا پکڑے، اور وہ اپنے دل میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں جب وہ بچہ کو لے کر اپنے گھر لوٹ رہی تھیں کہ میرا اس جیسا بچہ ہوتا پھر اس پر زیادتی کرنے والے زیادتی کرتے اور اسے کسی جگہ میں لے جاتے تو مجھے اس سے کیسی تکلیف پہنچتی اور میں اس کو کیسے برداشت کرتی یا صبر کرتی اور کیا پھر مجھے ہمیشہ کے لئے اس بچہ پر صبر آ جاتا؟ ایسا ناممکن ہے اگر میرا اس جیسا بچہ ہوتا پھر زیادتی کرنے والے اس پر زیادتی کرتے اور اسے کسی اور جگہ میں لے جاتے تو میں اس کو صبح وشام ضرور یاد کرتی اور میں اس کو بیداری اور خواب میں بھی ضرور یاد کرتی اور میں اس کے لئے اپنے آپ کو تھکا دیتی اور اس کے حال خیال میں مختلف جگہوں میں جاتی اور میری زندگی بے سکون ہو جاتی اور نہ زندگی خوشگوار ہوتی اور نہ میں اس دنیا کی لذات سے لطف اندوز ہوتی اور وہ بچہ کی اس ماں کو دیکھتی تھیں جس سے اس کا بیٹا چھین لیا گیا ہو اور وہ اس چھیننے کو دیکھ رہی ہو یا اس کا بیٹا اٹھا لیا گیا ہو اور وہ اس کے اٹھائے

جانے کو نہ دیکھتی ہو اور وہ اس ماں کے شدید غم، اس کی درد اور اس کی نہ بجھنے والی حسرت (کی آگ) کو دیکھتی تھیں اور اس کے سوز دل (کی آگ) کو دیکھتی تھیں جو بجھنے والی نہیں ہے اور اس کے آنسوؤں کو دیکھتی تھیں جو ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ شیبۃ اپنے دل میں اپنے آپ سے کہتی تھیں جب وہ بچہ کو لے کر گھر لوٹ نہ رہی تھیں: یہ بچہ ہے اس کو شاہ کسری سے اچک لیا گیا، کسری کے سپاہی اس کی حفاظت نہ کر سکے اور نہ اس سے زیادتیاں دور کر سکے۔ ہمارا حاصل کیا ہوگا جب ہم یثرب میں ہیں یہ پر خطر شہر جس کو یہودیوں اور دیہاتیوں نے تمام اطراف سے گھیر رکھا ہے اور جس کے بعض باسی دوسروں پر تلوار سونتے ہوئے ہیں اور جس کے باشندے اس بات سے محفوظ نہیں کہ ان پر کوئی مصیبت آ پڑے یا ان پر کوئی آفت آ جائے یا مصائب میں سے کوئی مصیبت ان کو پیش آئے۔ پھر جب شیبۃ گھر پہنچیں اور گھر میں ٹھہریں اور اس بچہ پر توجہ دی تو وہ خوف کے بعد با امن اور وحشت کے بعد مانوس ہو گیا اور اس نے بھوک کے بعد کھانا کھایا، شیبۃ اپنے دل میں اپنے آپ سے کہنے لگیں یہ ناممکن ہے کہ میں خاوند تلاش کروں یا میرا ایسا لڑکا ہو جس کو ایسی تکلیف پہنچے جیسی اس بچہ کو پہنچی اور جس پر پھر میں ایسا غم و پریشانی چکھوں (اٹھاؤں) جیسا غم اس بچہ کے متعلق اس کی فارسی ماں نے چکھا اور اس جیسی عورتیں اور بھی بہت ہیں، اگر زندگی شیبۃ کے لئے وفا کرتی شیبۃ ضرور اپنے دل کو اس فارسی بچہ کی توجہ پر صرف کرتیں اور اس کو ضرور اپنا بیٹا بنا لیتیں لیکن لوگ غور کرتے ہیں اور دن ان کے غور وفکر کے خلاف گزرتے ہیں، شیبۃ نے سالم پر توجہ دی حتی کہ اس کا جسم اور اس کی عقل نے نشو ونما پائی اور وہ ذہین تیز حس اور تیز زبان والا لڑکا بن گیا جیسا کہ یہودی نے اندازہ لگایا تھا یا اس کے لگائے ہوئے اندازے سے بھی بڑھ کر، شیبۃ کو اس سے محبت تھی اس کی وجہ سے خوش حال تھیں اور اس سے راضی تھیں، شیبۃ کو اوس وخزرج (قبیلوں) کے بہت سے آدمیوں نے پیام نکاح دیا اور یثرب کے اردگرد جنگل (دیہات) کے معزز لوگوں نے بھی ان کو نکاح کا پیغام دیا مگر شیبۃ نے ان کو روک دیا اور اس پر ان لوگوں سے معذرت کر لی حتی کہ شیبۃ نے ان کو عاجز کر دیا لیکن قریش کا ایک وفد ایک سال شام سے واپس ہوتے ہوئے یثرب سے گزر رہا تھا، انہوں نے چند دن یہاں قیام کیا، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ھشیم بن عتبہ بن ربیعہ نے اس شیبۃ کی بات اور اس کے لڑکے کا قصہ سنا تو ان کو اس بات پر تعجب ہوا جو انہوں نے سنی، پھر انہوں نے چاہا کہ انہیں مزید شیبۃ کی خبریں معلوم ہوں، چنانچہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ان (شیبۃ) کی قوم کے پاس آ کر

ٹھہر گئے اور ان سے کہنے لگے اور سننے لگے، ثبیتہ کا ان کے دل میں اچھا اثر پڑا حالانکہ انہوں نے نہ اس کو دیکھا تھا اور نہ اس کو سنا تھا صرف ان کے متعلق (دوسروں سے) سنا تھا تو خوش ہو گئے پھر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس خوددار عورت کو پیغام نکاح دیا تو ثبیتہ نے شروع میں تو اس کا انکار کیا لیکن جب ثبیتہ کو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا قریش میں مقام ومرتبہ معلوم ہوا اور یہ کہ وہ قریش کے معزز لوگوں میں سے ہیں اور قریش میں بلند مقام والے ہیں اور یہ کہ وہ بیت اللہ کے اصحاب اور اہل حرم میں سے ہیں جس حرم سے اصحاب فیل کو دور کیا گیا تھا اور جس پر گناہ گار فاجر لوگ ہی زیادتی کرتے ہیں تو کچھ دن تو متردد ہیں لیکن پھر اس مکی شخص کے پیغام نکاح کو قبول کر لیا۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ اور سالم کو لے کر قریش کے وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ لوٹے تو ابھی وہاں ٹھہرے نہیں تھے کہ ان کو مکہ کی بعض چیزیں بدلی ہوئی سی محسوس ہوئیں، صبح ہوئی تو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ صبح کو قریش کے کنبے میں گئے پھر شام ہوئی تو شام کے وقت قریش کے کنبے میں گئے لیکن ان کو ان کنبہ والوں کی بہت سی باتیں اچھی لگتیں اور ان کی بہت سی باتیں ناپسند لگتیں، ابو حذیفہ کا دل یہ چاہتا تھا کہ اس کو اطمینان ملے اور یہ کہ اسے سکون ملے اور یہ کہ وہ خوش ہو، جیسا کہ اس سے پہلے وہ (دل) اس کا عادی تھا، لیکن ان کے دل کو نہ اطمینان مل رہا تھا اور نہ سکون ہو رہا تھا اور نہ ہی خوشی کی کوئی راہ، ابوحذیفہ محسوس کر رہے تھے کہ جیسے کسی چیز کی ان کی مجالس میں کمی ہے اور جیسے مکہ میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ (واقعہ) معمولی نوعیت کا ہے یا غیر معمولی ہے لیکن کوئی چیز ایسی پیش آئی ہے جس نے ان کی قوم کی حالت کو بدل کر رکھ دیا ہے، ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو محسوس کرتے لیکن اس کی تحقیق نہیں کر پا رہے تھے، پھر ابوحذیفہ قریش کے کنبہ میں اپنے بعض دوستوں کو ڈھونڈنے لگے، پوچھنے لگے: عثمان بن عفان اموی کہاں ہیں؟ طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ اپنے دوستوں کا نام لے کر پوچھنے لگے کہ فلاں اور فلاں کہاں ہے؟ ان کی قوم ان کو واضح انداز میں جواب نہ دیتی بعضوں نے تو خاموشی کو پسند کیا اور بعض تو ریہ (اصل مقصد کا اخفاء) سے کام لینے لگے اور ان میں بعض نے اپنی بات کو ایسا غلط رخ دیا کہ اصل بات واضح اور منکشف نہ ہو۔

ابوحذیفہ دیکھتے اور سنتے پھر ان کے اور اطمینان وسکون اور خوشی کے درمیان فاصلہ دور ہوتا گیا، پھر ایک دن انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ ان کی بصیرت ظاہر ہو گئی تھی اور ان کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ ان کے وہ دوست جو مکہ میں ہیں انہوں نے مکہ

نہیں چھوڑا اور حرم کی زمین سے نہیں ہٹے لہٰذا وہ ان سے کیوں نہ پوچھے اور ان کے ہاں جا کر کیوں نہ ٹھہرے، یہ خیال ابھی ان کے دل میں آیا تھا کہ انہوں نے ان دوستوں میں سے کسی دوست کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا، ابوحذیفہ، عثمان بن عفان کے پاس جا کر ٹھہرے، وہ ان کے دوست تھے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان عمر کا فرق تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس سال سے متجاوز تھی یا اس کے قریب تھی جبکہ ابوحذیفہ ابھی تک تیس سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے، لیکن ان دونوں کے درمیان دوستی دیرینہ اور مضبوط تھی، پھر سفروں کی رفاقت نے اس میں مزید قوت اور استحکام پیدا کردی تھی، چنانچہ جب ابوحذیفہ، حضرت عثمان کے گھر پہنچے اور ان کے پاس آئے تو ان سے ان کے دوست اس طرح ملے جیسے ان کی عادت تھی کہ وہ چہرہ کی بشاشت، خوشی، رفق ونرمی سے ملتے تھے، تاہم ابوحذیفہ نے اس سب کے باوجود اپنے دوست سے انقباض اور احتیاط کو محسوس کیا، ابوحذیفہ نے کہا: اے ابوعمرو! جب سے وفد مکہ واپس آیا ہے میں نے آپ کو قریش کے کنبوں میں تلاش کیا مگر آپ نہیں ملے؟ آخر کس چیز نے آپ کو اپنی قوم سے روک دیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے نہ تو وہ کبنے اچھے لگتے ہیں اور نہ وہ باتیں جو ان میں چلتی ہیں۔ ابوحذیفہ نے کہا: کیا آپ کو اپنی قوم کی کوئی بات ناگوار ہوئی ہے؟ اس وقت حضرت عثمان خاموش رہے اور جواب نہیں دیا، ابوحذیفہ نے اپنی بات دوبارہ دہرائی تو حضرت عثمان نے پھر اور زیادہ خاموشی اختیار کرلی، ابوحذیفہ نے کہا: اے ابوعمرو! لات وعزٰی کی قسم! آپ کی یقیناً ایک شان ہے لیکن حضرت عثمان (کی حالت یہ تھی کہ جیسے) انہوں نے ان کی اس قسم کو سنا ہی نہیں، یہاں تک کہ اپنا رخ پھیرلیا، ابوحذیفہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے دوست کے چہرہ کا رنگ بدل گیا ہے اور اس پر غصہ کے آثار نمایاں ہیں، ان سے بالکل مانوس نہیں، ابوحذیفہ نے کہا: اے ابوعمرو! افسوس تم اس تعلق کو خوب جانتے ہو جو میرے اور آپ کے درمیان میں ہے بے شک آپ میرے دوست ہیں اور میری نظر میں امانت دار ہیں لہٰذا آپ مجھے اپنی ذات کے بارے میں وضاحت کر دیجئے۔ حضرت عثمان نے پرسکون اور نرم آواز میں کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ وہ دوستی جو تمہارے اور میرے درمیان ہے باقی رہے تو لات وعزٰی اور ان معبودوں کا ذکر نہ کرو جو تمہارے کچھ کام نہیں آسکتے، یہ سن کر ابوحذیفہ نے شدت غم سے خاموش ہو کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکالیا، پھر بولے، اے ابوعمرو! افسوس پھر تو تم بے دین ہو گئے ہو؟ حضرت عثمان نے زیادہ سنجیدہ اور زیادہ نرم آواز میں کہا، ابوحذیفہ مجھے تو ہدایت مل گئی ہے تم تو سمجھ

داراور سنجیدہ نوجوان ہو، ابھی تک تو تمہاری عمر بھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی ہاں البتہ تو نے دنیا دیکھی ہے اور تو زمین کے اطراف میں گھوما ہے اور تو نے لوگوں کی خبروں کو جانچا ہے اور تو (زمانہ کے) حوادثات اور مصائب کو آزما چکا ہے، تو کیا تم اس بات کو عقلمندی خیال کرو گے کہ تم جیسا اور مجھ جیسا شخص لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے بتوں پر ایمان لے آئے جن کی صورتیں خود لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنائیں اور پھر ان میں سے جو چاہے ان کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر سکتا ہے؟ ابوحذیفہ نے کہا: اے ابوعمرو! میں تجھے سمجھدار ہی سمجھتا ہوں لیکن میں نے ان چیزوں کے متعلق کبھی نہیں سوچا میں نے تو صرف اپنی قوم کو ان بتوں کی پوجا کرتے ہوئے پایا تو میں نے بھی ان جیسا عمل کیا، حضرت عثمان نے کہا: بتاؤ جب ہدایت واضح ہو جائے اور حق ظاہر ہو جائے (تو کیا کرنا چاہیے)؟ ابوحذیفہ نے کہا: پھر تو ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم ہدایت کو اختیار کریں اور حق کی اتباع کریں مجھے آپ محمد کے پاس کب لے جائیں گے؟ حضرت عثمان نے کہا ابھی، اگر تم چاہو، ابوحذیفہ مسلمان ہو گئے اور اپنے اسلام (کی حالت) کے ساتھ ثبیتہ کے پاس آئے ابھی انہوں نے ان کی بات سنی نہیں تھی کہ وہ بھی حضرت ﷺ پر اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئی، غلام سالم نے ان دونوں کی بات سنی تو ان کا دل بھی اس کی طرف مائل ہو گیا پھر وہ بھی ایمان لے آئے جیسے وہ دونوں ایمان لائے، ابھی رات نہیں آئی تھی کہ مکہ میں اسلام کے گھرانوں میں ایک اور گھر کا اضافہ ہو گیا، چند دن گزرتے ہیں ثبیتہ کو پتہ چلتا ہے کہ حضرت ﷺ غلام آزاد کرنے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو لوگ غلام آزاد کر دیتے ہیں ان سے آپ اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور اس کی رضا مندی کا وعدہ کرتے ہیں، چنانچہ ثبیتہ اپنے اس فارسی غلام کو اپنے پاس بلاتی ہیں اور ان سے کہتی ہیں: میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا، اب تم جس کو چاہو اپنا ولی بناؤ، سالم نے ابوحذیفہ سے کہا کیا آپ میرے ولی بنیں گے؟ ابوحذیفہ نے کہا: ناممکن، میں تجھے ہرگز اپنا مولیٰ (غلام) نہیں بناؤں گا بلکہ تو آج سے میرا بیٹا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے یثرب کے دو قبیلوں اوس وخزرج سے اپنی دعوت اپنے اصحاب اور اپنی ذات کے لئے تصدیق نامہ لیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ آپ کو جگہ دیں گے، آپ کی نصرت کریں گے اور آپ کی پشت پناہی کریں گے اور جو آپ کے خلاف سرکشی کرے یا آپ کو کوئی گزند پہنچانے کا ارادہ کرے اس کے مقابلے میں قتال کریں گے یہاں تک کہ آپ اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیں اور ان دو قبیلوں "اوس وخزرج" کے سرداروں نے بھی اس معاہدہ میں

آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو ان کی نئی منزل کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، اسلام یثرب میں ان سے پہلے پہنچ گیا، اس کی ان لوگوں نے خوشخبری دی جن کو رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری دینے کے لئے بھیجا تھا چنانچہ ہجرت ایسے گھر کی طرف ہوئی جس میں اسلام مہاجرین کے قیام پذیر ہونے سے قبل ہی قائم ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ہجرت مدینہ کی اجازت دیدی چنانچہ لوگ مدینہ گروہ در گروہ جانے لگے اور آپ مکہ میں مقیم تھے اور انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جانے کی اجازت دیں، مسلمان مہاجرین کی جماعت اپنے انصار بھائیوں کے پاس قباء میں جمع ہو گئی اور انتظار کرنے لگے کہ (کب) آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں گے اور وہ اس دوران نماز قائم کرتے تھے جس طرح مکہ میں نماز قائم کرتے تھے، مسلمانوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا اور حضور ﷺ سے سب سے زیادہ قرآن کو یاد کرنے والے سالم بن ابی حذیفہ ہیں، چنانچہ لوگ ان کو نماز میں امامت کیلئے آگے کرتے حالانکہ ان میں بڑے بڑے حضرات مہاجرین میں سے ہوتے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے جن کا اسلام لانا فتح کا باعث اور نصرت کا سبب اور خلافت باعث رحمت تھی جیسا کہ بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اور اوس وخزرج کے مشرکین ومنافقین کو معلوم ہوتا تو وہ مہاجرین وانصار کی اس جماعت کو دیکھتے کہ وہ سالم کو نماز میں امامت کے لئے آگے کرتے ہیں پس وہ سالم کے اس معاملہ کو بظاہر بڑا خیال کرتے، پھر وہ ان کا ذکر کرنے اور ان کو پہچاننے میں رکے نہیں، ایک دوسرے سے کہنے لگے: کیا تم اس آدمی کی طرف نہیں دیکھتے جو محمد کے ساتھیوں کی اس نئی جماعت کو نماز پڑھاتا ہے جن میں بعض تو ہجرت کر کے مدینہ آئے اور بعض وہ ہیں جو یہیں کے باسی ہیں، یہ سالم ہیں، کیا تم سالم کا ذکر نہیں کرتے ہو؟ لوگ ان کا ذکر کرنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے لیکن بعض لوگ دوسروں کے سامنے اس یہودی کا قصہ دہراتے جو عربوں اور یہودیوں کے سامنے ایک نوجوان لڑکا پیش کرتا تھا جو عربی زبان بھی اچھی نہیں جانتا تھا اور نہ اس کو ابتداء سمجھتا تھا، لوگ اس قصہ کو سننا چاہتے ہیں تاکہ سارا قصہ مستحضر ہو، اور تاکہ وہ اس بچہ کو دیکھیں جس کو تکلیف پہنچی اور اس پر بدحالی ظاہر ہو رہی تھی، اہل عرب اور یہودیوں، سب نے اس سے بے رغبتی ظاہر کی تھی اور شبیتہ نے اس کو خرید لیا تھا، اس میں رغبت کرتے ہوئے نہیں بلکہ اس پر شفقت کرتے ہوئے، پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے

لگے: اگر سلام بن جبیر زندہ ہوتے تو وہ اپنے اس بچہ سے عجیب امر دیکھتے، پھر وہ ایک دوسرے سے کہتے: کیا تم اصحاب محمد کی اس نئی رونما ہونے والی جماعت کو نہیں دیکھتے ہو کہ ایک ایسا فارسی شخص ان کی امامت کرتا ہے جو کل غلام تھا؟ پھر ان میں بعض دوسروں کو اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہتے: بے شک ان لوگوں کی ایک شان ہے، یہ لوگ ایک غلام کو (اپنا) سردار بناتے ہیں، اور آزاد اور غلاموں کے درمیان فرق کو ختم کر دیتے ہیں۔ ہمیں قریش والوں پر رحم آتا ہے جو کچھ ان کے ساتھ پیش آیا، اور ہم قریش کو اس کام میں معذور سمجھتے ہیں جو انہوں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ سلوک کیا، اگر ہم طاقت رکھتے تو ہم ان کو ستاتے جیسے قریش نے ان کو ستایا، اور ہم ان کو اپنی زمین سے جلاوطن کر دیتے جیسے ان کو قریش نے جلاوطن کیا، لیکن کیا اس کی کوئی صورت ہے؟ تو ان میں سے کوئی کہنے والا کہتا: یہ ناممکن ہے! ہماری قوم میں سے قوت و طاقت والے لوگ ان پر ایمان لائے، البتہ ان بولنے والوں میں سے ایک فریق سنتا ہے پھر انکار کرتا ہے پھر خاموشی کو پسند کرتا ہے۔ پھر بعض، بعض سے تنہائی میں ملتے ہیں اور آپس میں نئی بات ازسرنو کرتے ہیں اور اس شخص کے معاملہ پر متعجب ہوتے ہیں جو کل غلام تھا، پھر وہ آج آزاد لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، پھر وہ مہاجرین کی جستجو کرتے ہیں تو ان میں غلاموں کی ایک جماعت ایسی دیکھتے ہیں جو قلیل نہیں ہے (لیکن آج) وہ آزاد کئے گئے ہیں، ان کو ان کے اسلام نے آزاد کیا، پھر وہ مسلمانوں میں آزاد اور معزز لوگوں کے ساتھ رویہ دیکھتے جن کی آزادی ان پر لوٹا دی گئی تھی بعد اس کے کہ وہ غلامی میں پلے بڑھے، چنانچہ وہ دیکھتے کہ ان کا رویہ، اخوت، عدل وانصاف اور مساوات پر قائم ہے، بے شک اسلام، آزاد اور غلام میں کوئی تفریق نہیں کرتا، اور نہ لوگوں میں فرق کرتا ہے، مگر تقویٰ اور نیکی و بھلائی اور اچھے اعمال کے ساتھ جو وہ اپنے آگے بھیجتے ہیں اس موقع پر ان کے دل اس برابری کی توقع کرتے جو برابری انہوں نے اس سے پہلے سنی نہیں تھی، اور اس انصاف کی طرف (ان کے دل توقع کرتے) جس سے وہ مانوس نہیں تھے، پھر اچانک وہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے اور اس کی طرف جلدی کرنے لگے، پھر اس کی شدید خواہش کرنے لگے کہ سالم بن ابی حذیفہ ان کی امامت کرے، جو کل کو غلام تھا، آج ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ وہ قریش اور اوس وخزرج کے معزز لوگوں کی امامت کرتے ہیں جس وقت وہ اللہ کے سامنے اپنی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔ (الوعد الحق)

﴿براعظم ایشیا میں اسلامی جنت﴾

از استاد علی الطنطاوی[1]

ہم اس وقت ہند میں ہیں، ایسے براعظم میں جس پر ہم نے ایک ہزار سال حکومت کی، ایسی دنیا میں جو صرف ہماری تھی، اور ہم اس کے سردار تھے، یقیناً ایک مرحوم اسلامی جنت میں، اگر اسبانیا اندلس میں ہمارے لئے بیس ملین لوگ تھے، تو یہاں ہمارے لئے (اس سے بھی) بہت بڑا اندلس ہے، آج یہاں چار سو ملین افراد ہیں، پوری زمین کے باشندوں کا پانچواں حصہ، اور اگر ہم اندلس میں اپنے باقی ماندہ شہداء اور اپنے بہادروں کا خون چھوڑ آئے ہیں اور اگر اندلس میں مسجد قرطبہ اور حمرا چھوڑ آئے ہیں تو ہمارے لئے اس براعظم کی ہر بالشت بھر جگہ میں پاکیزہ خون ہے جو ہم نے بہایا ہے، اور بہترین تہذیب وتمدن ہے جس کے اطراف منقش ہیں، اور اس کے کنارے، علم وعدل، عظمت وبہادری کے ساتھ خوشنما ہیں، اور اس میں ہمارے لئے ادارے اور مدارس

[1] ان کا نام علی بن مصطفیٰ الطنطاوی ہے آپ کی پیدائش ۱۳۲۷ء کو دمشق میں ہوئی، آپ کے والد رئیس الافتاء تھے، آپ نے علماء دمشق سے تعلیم حاصل کی، جیسے شیخ ابوالخیر المیدانی، شیخ صالح التونسی وغیرہ مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور آپ نے جامعہ سوریہ سے قانون کی ڈگری حاصل کی، آپ دارالعلوم المصریہ میں ایک سال سے کم عرصہ تک مقیم رہے، اور ایک عرصہ تک صحافت سے منسلک رہے، نیز آپ نے عراق لبنان اور مصر میں لغت عربیہ کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۰ء میں قضاء سے وابستہ ہوئے اور تدریس وتحریر سے بھی تعلق قائم رکھا، آپ دمشق میں عدالت تنسیخ کے مشیر بھی رہے، پھر آپ حجاز چلے گئے اور مکہ کے کسی کالج میں استاذ مقرر ہو گئے، پھر آپ ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں چلے گئے وہاں آپ تقریر کرتے، سوالوں کے جوابات اور کثیر علم وادب کی اشاعت کرتے، استاذ علی الطنطاوی امت عربیہ کے بلند پایہ ادیبوں میں سے ہیں آپ کی تحریر، خوش نمائی اور خوش بیانی کے ساتھ جدید وقدیم محاسن کو جامعہ ہے آپ کا یہ مضمون ہند کی اسلامی تاریخ ہے جو انہوں نے ہند کی زیارت کے بعد تحریر کیا، اس سے آپ کی زبان پر پوری دسترس اور بلاعت تعبیر کا پتہ چلتا ہے آپ کی کئی کتب ہیں مثلاً ''ابوبکر الصدیق'' ''عمر بن الخطاب'' ''رجال فی التاریخ قصص من التاریخ اور دیگر بہت سی کتابیں۔

ہیں، جس نے کتنی عقلوں کو روشن کیا، اور حق کے لئے دلوں کو کھولا اور مسلسل دلوں کو کھول رہے ہیں اور عقلوں کو روشن کر رہے ہیں، اور یہاں ہمارے لئے ایسی یادگاریں ہیں جو اپنے جمال اور جلال کی وجہ سے (اس) حمراء پر فائق ہیں، تمہارے لئے (تاج محل) ہی کافی ہے جو روئے زمین پر بہت خوبصورت عمارت ہے۔

ہند میں چار اسلامی ادوار گزرے ہیں، فتح عربی کا دور، پھر فتح افغانی کا دور، پھر خاندان غلاماں کا دور پھر مغلوں کا دور۔ وہ پہلا شخص جو اسلام کا جھنڈا ہند میں لایا وہ محمد بن القاسم الثقفی[1] تھا، یہ وہ نوجوان قائد تھا جس نے طائف میں اپنی قوم کے گھروں کو چھوڑا، اور اپنے چچا کے بیٹے حجاج کی معیت میں عراق چلے گئے، جس نے بہت زیادہ ظلم کیا اور بہت زیادہ بے رحمی کا برتاؤ کیا۔ اس (حجاج) کی غیر معمولی لغزشیں بھی تھیں لیکن اس نے ہمارے لئے عراقیوں کو باقی رکھا، اور ہمارے لئے سارا مشرق اور سندھ فتح کیا، چنانچہ اس نے کمانڈر مہلب کو روانہ کیا جس نے اس خانہ جنگی کی آگ کو بجھا دیا جو خارجیوں نے لگائی تھی اور کمانڈر رقتیبہ کو بھیجا حتیٰ کہ اس نے سمرقند، بخارا اور ترکمانستان فتح کئے اور اپنے چچازاد بھائی محمد بن قاسم کو بھیجا حتیٰ کہ اس نے سندھ کو فتح کیا، اگر وہ ایمان نہ ہوتا جو کرشمے دکھاتا ہے اور اگر وہ بڑی ہمتیں نہ ہوتیں جس نے پہاڑوں کو بھی ہٹا دیا اور اگر وہ بہادری نہ ہوتی جو محمد ﷺ نے عرب کے دلوں میں پیدا کی تو یہ لشکر اس بات کی طاقت نہ رکھتا کہ وہ کرہ ارض کے پانچویں حصہ کو بھی طے کرتا، حالانکہ وہ پیدل چلنے والے تھے یا اونٹوں اور چوپایوں کی پشتوں پر سوار تھے۔ وہ نہ ریل گاڑی کو پہچانتے تھے اور نہ گاڑی کو اور نہ انہوں نے فضا کی پشت پر کوئی طیارہ دیکھا، جب ابن قاسم نے اس زبردست بلند محل میں پہلا پتھر رکھ دیا اور اس براعظم میں اس آفتاب کی پہلی کرن داخل کردی جو (آفتاب) مکہ میں چمکا تھا اور اس نے سندھ کو فتح کرلیا، حالانکہ ان کی عمر ابھی بیکالوریٹ (یونیورسٹی کی پہلی ڈگری بی، اے) کے طلبا کی عمر کو بھی نہیں پہنچی تھی۔

---

[1] ان کا پورا نام محمد بن القاسم بن محمد بن الحکم بن ابی عقیل الثقفی ہے۔ یہ حجاج کا چچازاد اور داماد تھا، حجاج نے ان کو سندھ کی سرحد کا حاکم مقرر کیا تھا، محمد بن قاسم فتح کرتے ہوئے ملتان تک پہنچے اور سندھ کو فتح کیا، ادھر حجاج اور ولید بن عبدالملک کی وفات ہوئی اور سلیمان والی بنا اور یزید بن عبدالملک السکسکی، سندھ کا حاکم مقرر ہوا تو محمد بن قاسم کو قید کر کے لایا گیا، اہل سندھ، محمد بن قاسم کے جانے پر بہت روئے۔ عراق کے حاکم، صالح نے ابی عقیل کے دیگر افراد کے ہمراہ ان کو بھی سزا دی، یہاں تک کہ ان کو قتل کرا دیا، حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا، سندھ، محمد بن قاسم کے ہاتھوں اس وقت فتح ہوا جب ان کی عمر سترہ سال تھی اور تقریباً ۹۶ھ کو شہید ہوئے۔

دوسری مرتبہ چوتھی صدی میں اسلام کا جھنڈا اس طرف لے کر آئے، عظیم سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں دوبارہ فتح ہوئی، جو غزنی سے نکلے جو افغانستان کے شہروں میں سے ایک قصبہ ہے اور کابل سے جنوب کی طرف ہے، انہوں نے درہ خیبر کو پار کیا جو تنگ وتاریک اور خوفناک ہے جو بلند وبالا پہاڑوں کو چیرتا ہے اور جس کی وحشت ناکی اور دشوار گزاری کی وجہ سے جنگل کے شیر بھی اس پر چلنے سے گھبراتے ہیں، پھر وہ ہند میں داخل ہوئے اور ایسی زبردست لڑائیوں) میں کود پڑے جن (لڑائیوں میں موت بھی رقص کرتی ہے اور خون جوش مارتا ہے۔ ہند کے سارے امراء اور نواب ان کے خلاف جمع ہوئے، پس انہوں نے ان کے بہادر لوگوں کو پیس دیا اور ان کے لشکروں کے بخیے اڑا دیئے اور چلتے ہوئے پنجاب میں گھسے۔ وہاں کے علاقے آپ کے تابع فرمان ہو گئے پھر انہوں نے ان علاقوں میں اللہ کا حکم قائم کیا اور اس کے باشندوں کو اسلام کی عدالت کا مزہ چکھایا۔ پھر ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے بعد اسی راستہ سے سلطان شہاب الدین غوری آئے، چنانچہ انہوں نے اس فتح کا جو حصہ منقطع تھا اسے دوبارہ جوڑا اور جو اس میں سے ناقص تھا اس کو مکمل کیا۔ اور شمالی ہند کے بادشاہ بنے، اور ان کے لشکر دہلی تک پہنچ گئے ان (لشکروں) نے وہاں اسلامی دعوت کا منار (نشان وغیرہ) روشن کیا، پس وہ اندھیرے کے بعد روشن ہو گیا اور اندھے پن کے بعد بینا ہو گیا۔ اور انہوں نے اس کے اطراف میں وہ گرج دار آواز لگائی جو مکہ کے اندر سے نکلی تھی، مؤذن نے ہند کے قلب میں پکارتے ہوئے جو (ہند) ارباب (رب کی جمع) معبودوں اور بتوں والا تھا آواز لگائی کہ تمہارے معبود ناکام ہو گئے اور تمہارے بت گر گئے، وہ (اللہ) صرف ایک معبود ہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ہند میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی جس کا مرکز دہلی تھا۔ دریں اثناء کہ قطب الدین ایبک، جو سلطان غوری کا سپہ سالار تھا۔ کئی شہروں کو اپنی تلوار سے فتح کر رہا تھا تو شیخ معین الدین چشتی[1] اپنی دعوت سے

---

[1] آپ شیخ الاسلام معین الدین حسن بن حسن اجمیری ہیں، آپ کی ولادت ۵۳۷ھ کو شہر بجستان میں ہوئی، حصول علم کے لیے اسفار کیے نیشاپور کے علاقہ ہارون میں پہنچے اور شیخ عثمان ہارونی" سے وابستہ ہو گئے اور ان سے فیض حاصل کیا، اور بیس سال تک ان کی صحبت میں رہے، پھر دہلی چلے آئے پھر یہاں سے اجمیر آکر سکونت پذیر ہو گئے طریقہ چشتیہ آپ کی طرف ہی منسوب ہے، آپ کے فیض عام سے مشرکین کی ایک بہت بڑی تعداد اسلام میں داخل ہوئی اور اسلام ان علاقوں میں مستقر ہو، آپ نے ۶۳۲ھ کو وفات پائی اور اجمیر میں ہی مدفون ہوئے۔

دلوں کو فتح کر رہے تھے، چنانچہ لوگ اسلام میں فوج درفوج داخل ہوئے۔اور یہ فتح زیادہ باقی رہنے والی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔اور آج اس کی وجہ سے اسی ملین مسلمان پاکستان میں اور چالیس ملین ان کے علاوہ ہندوستان میں ہیں،اور عنقریب اسلام آخر وقت تک ان علاقوں میں باقی رہے گا۔

سلطان غوری کے بعد ان کے قائد قطب الدین حکمران بنے، جنہوں نے دہلی کو فتح کیا اور یہاں سے خاندان غلاماں کا عہد شروع ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے سچے بادشاہ ہوئے، جس میں یہ قطب الدین بھی تھے، جو قطب مینار کے بانی تھے، جس کی عظمت کے سامنے آج دہلی میں آنے والا ہر سیاح کھڑا ہوتا ہے،اور ان میں شمس الدین التمش اور غیاث الدین بلبین ہیں۔ پھر خلجی آئے اور ان میں عظیم بادشاہ علاؤالدین خلجی تھے جس نے لوگوں میں انصاف کیا اور شہروں کو کنٹرول کیا اور امن کو پھیلا دیا اور ہند کے اندر تک چلے گئے۔ان کے بعد خاندان تغلق آئے ان میں صالح و مصلح بادشاہ فیروز تھے، پھر لودھی حضرات آئے۔احمد آباد میں ایسے بادشاہ ہوئے جنہوں نے لوگوں کے سامنے خلفاء راشدین کی یاد تازہ کردی جیسے مظفر حلیم گجراتی۔اور غلامان کی حکومت میں علماء کی ایک ایسی حکومت تھی جو ان سے بھی بہت بڑی تھی اور ان کے لئے بڑی سلطنت تھی ان بادشاہوں کی سلطنت کی بہ نسبت ہمارے بھائی ابوالحسن علی حسنی الندویؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ سلطان شمس الدین التمشؒ وہ تھے کہ تمام علاقے ان کے ماتحت تھے (اور یہ ساتویں صدی ہجری میں تھے) ہند کے تمام بادشاہ ان کے تابع فرمان تھے،وہ شیخ بختیار کاکی سے اجازت لیتے تھے اور ان کی خانقاہ میں آتے تھے اور انہیں یوں اسلام کرتے جیسے ایک غلام اپنے آقا کو سلام کرتا ہے اور مسلسل ان کے پاؤں دباتے رہتے اور ان کی خدمت کرتے اور ان کے قدموں پر آنسو گراتے یہاں تک کہ شیخ ان کے لئے دعا کرتے اور ان کو واپس چلے جانے کا حکم دیتے ،اور علاؤالدین خلجی اپنے زمانہ میں ہند کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے انہوں نے شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی سے اجازت لی کہ انہیں زیارت کی اجازت دیدیں مگر شیخ نے اجازت نہیں دی۔جب شیخ الدولہ دولت آبادی مفسر بیمار ہوئے اور موت کے کنارے پر پہنچ گئے تو سلطان ابراہیم الشرقی نے ان کی عیادت کی اور ان کے سر کے پاس کھڑے ہوکر دعا کی کہ وہ خود (بادشاہ) ان کی موت کی جگہ قربان ہوجائے ،نظام الدین بدایونی کی خانقاہ مریدین سے بھری ہوتی اور بادشاہ کے محل کی بہ نسبت لوگوں سے زیادہ بھری ہوتی تھی اور ان کی روحانی سلطنت ، مادی (دنیوی) بادشاہ کی سلطنت سے

زیادہ بڑی تھی۔ جناب! اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ علماء لالچ اور اغراض کے کپڑوں سے بے تعلق تھے اور ان چیزوں سے بے رغبت تھے جو بادشاہوں کے ہاتھوں میں تھیں۔ اس لئے خود بادشاہ ان کے دروازوں پر دوڑے آتے اور انہوں نے اپنے دلوں سے دنیا کی محبت نکال دی تھی، جس کی وجہ سے خود دنیا نے اپنے آپ کو ان کے قدموں پر ڈال دیا تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ کے دور میں تیمور لنگ کا پوتا بابر کابل سے آیا اور اس نے لودھی کے لشکروں کو شکست دی جو ایک لاکھ کا تھا جس کا مقابلہ بارہ ہزار مغل مسلمان شہسواروں سے تھا، اور اس نے حکومت مغلیہ کی بنیاد ڈالی جو ہند میں سب سے بڑی اسلامی حکومت تھی اور اس کے بادشاہوں میں نیک بادشاہ اورنگ زیب تھے جب بابر کا انتقال ہوگیا اور اسکا بیٹا ہمایوں حکمران بنا تو ایک خوددار آدمی نے اس پر حملہ کیا جو بادشاہ کے گھرانے سے نہیں تھے لیکن وہ بادشاہوں جیسا حوصلہ رکھتا تھا چنانچہ اس نے بہت سے علاقے اس سے چھین لئے اور ایسی حکومت قائم کی جو دوسری حکومتوں میں نادر تھی۔ اور اداروں کو اور مالی نظام اور لشکر کو ایسا منظم کیا کہ اس سے پہلے کسی نے اس طرح نہیں کیا اور وہ تھے سلطان شیر شاہ سوری، جب وہ فوت ہوگیا تو دوبارہ بادشاہت ہمایوں کے بیٹے کے پاس آگئی اور وہ شہنشاہ اکبر تھا، اس کی حکمرانی طویل ہوئی، آخری دنوں میں اس نے خدا کا انکار کر دیا، اور لوگوں کو بھی کفر پر مجبور کیا اور ان کے لئے نیا دین ایجاد کیا اور اسلام کے نشانات مٹا دیئے اور اس کے شعائر ختم کر دیئے اور اس کے ساتھ لشکر تھے اور اس کے ساتھ امراء تھے اور تمام علاقے اس کے زیر کنٹرول تھے پس اس کے سامنے کون کھڑا ہوتا؟ کون اسلام کی مدد کرتا؟ اور کون دین کا دفاع کرتا؟ اس کام کے لئے ایک کمزور بدن بوڑھے شخص کھڑے ہوئے جو مال و منصب اور مددگاروں کے اعتبار سے کم تھے لیکن ان کا خدا پر ایمان مضبوط تھا، اور وہ خوددار اور عالی ہمت تھے، وہ دنیا کو حقیر خیال کرتے تھے پس وہ دنیا کے مال و منصب اور لذات پر توجہ نہ دیتے تھے اور (دنیا کی) زندگی کو معمولی سمجھتے تھے اور کسی ایسے پہلو پر توجہ نہیں دیتے تھے جو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں ہوتا، وہ تھے شیخ احمد سرہندی، انہیں شہنشاہ (اکبر) کی اصلاح کی توقع نہ تھی اور نہ ہی انہیں اس کی کوئی امید تھی، چنانچہ آپ نے چھوٹے افسروں اور حاشیہ برداروں کے ساتھ رابطہ رکھنا شروع کیا اور (انہیں) عمومی انقلاب کے لئے تیار کرنے لگے، فوجی اور انقلابی انقلاب کے لئے نہیں بلکہ روحانی اور فکری انقلاب کے لئے، آپ ایسے خطوط بھیجتے جو دینی غیرت جذبات اور ایمانی جذبات سے بھڑکے ہوتے۔ جب اکبر کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا جہانگیر

حکمران بنا تو شیخ سرہندی کے بیٹے شیخ معصوم سرہندی کو ایک چھوٹے بچہ کی تربیت کی نگرانی کرنے کا موقع ملا وہ (بچہ) جہانگیر کے پوتوں میں سے ایک تھا۔اور یہ بچہ اپنے بھائیوں سے بڑا نہیں تھا اور نہ ہی ولی عہد تھا اور نہ ہی اسے اس پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کردی،اس لئے اس کی ایک طالب علم کی طرح پرورش ہوئی جو کسی داخلی دینی مدرسہ میں ہو،مشائخ ومدرسین کے درمیان رہا ہو،(اس بچہ) نے قرآن تجوید کے ساتھ پڑھا ،اور فقہ حنفی کی تعلیم حاصل کی اور اس میں عبور حاصل کیا اور فن خوشنویسی میں استحکام حاصل کیا اور عصری علوم سے بھی واقفیت حاصل کی،اور اس کے ساتھ اس نے گھوڑا سواری کی تربیت لی اور قتال کی ٹریننگ حاصل کی۔جب جہانگیر کی وفات ہوئی اور شاہ جہاں حکمران ہوا تو اس نے اپنے تمام بیٹوں کو ہند کے صوبوں میں سے ایک ایک صوبہ کا والی بنا دیا اور اس بچہ کی حصہ میں دکن کی حکمت آئی اور وہ بچہ اورنگ زیب تھا۔

شاہ جہاں کی ایک بیوی تھی،حسن میں اس کے حسن کی کوئی مثال نہیں تھی ،محبت کے معاملہ میں شاہ جہاں کی اس سے محبت بھی بے مثال تھی وہ ممتاز محل تھی،وہ فوت ہوگئی، شاہ جہان نے اس پر اظہار غم کیا مگر کسی شعر کے قصیدہ کے ذریعہ نہیں بلکہ اس کی یادگار بنائی لیکن نہ کسی تصویر کے ساتھ اور نہ کسی مجسمہ کے ساتھ،شاہ جہاں نے اس پر اپنے غم کا اظہار کیا اور سنگ مرمر کی قسم کے ٹکڑے کے ساتھ اس کی یادگار بنائی۔کسی شاعر نے کوئی قصیدہ اس سے زیادہ اچھا نہیں کہا اور نہ کسی نغمہ سرا نے اس سے زیادہ شیریں کوئی نغمہ سرائی کی،اور نہ کسی مصور نے کوئی تختی (تصویر) اس سے زیادہ شاندار بنائی،پس یہ شعر ہے اور یہ نغمہ ہے اور یہ تصویر ہے اور یہ فن عمرانیات میں بہت بڑا تحفہ ہے۔وہ ہے تاج محل یہ وہ عجیب عمارت ہے جس نے اپنے جمال سے دنیا کو ورطہء حیرت میں ڈال دیا،اور مسلسل اس کو حیران کر رہی ہے،اور ہنر مند ہاتھوں کے ذریعہ جس عجیب اندازی سے اس میں سنگ مرمر لگے ہیں پس ان ہاتھوں نے ایک خوبصورت عمارت بنادی جو بالاتفاق اس روئے زمین پر تعمیر کی گئی اور ان ہاتھوں نے وہ نقش ونگار بنائے کہ اس طرح کی صفائی فن کاری اور سحر انگیزی میں کوئی نقش ونگار معلوم نہیں ہے۔

یہ قبر جس پر آج سیاح آتے ہیں (ہم اس وقت امریکہ سے بہت دور آگرہ میں ہیں جو دہلی کے قریب ہے) تاکہ اس کو دیکھیں اور اس کے قصہ کو سنیں اور وہ محبت کے قصوں میں مطلقا سب سے بڑھ کر ہے،اس محبوب بیوی کی موت نے ایک عظیم شہنشاہ کو بڑا صدمہ پہنچایا،پس وہ اپنی دنیا سے بے تعلق ہوگیا،اس لئے کہ وہ (بیوی) ہی اس کی دنیا تھی

اور اس نے ہند کی بادشاہت کو حقیر کر دیا اس لئے کہ وہ (بیوی) اس کے نزدیک ہند کی بادشاہت سے زیادہ عظیم تھی، اس (بیوی) کے بعد اس کی کوئی حاجت نہ رہی مگر یہ کہ وہ اپنے ملاقاتی سے جی چراتا اور اپنی یادوں سے ماضی کی راہوں میں کھو جاتا، تا کہ اس (بیوی) کے خیال میں زندگی بسر کر کے، اس کی عمدہ خوشبو کو سونگھے اور اس کے جمال کا سراغ لگائے اور اس کی خفیہ سرگوشیوں کو سنے، اور اس کے سانسوں کی حرارت، کو محسوس کرے لیکن پھر اس کے ساتھ جو محبت تھی وہ اس قبر کی محبت سے بدل گئی جو اس نے اس کے لئے بنائی تھی پس وہ اس کا دیوانہ ہو گیا، اس کی ٹھنڈک میں بیوی کی حرارت، اس کے جمود میں اس کے خیالات اور اس کی خاموشی میں اس کی گفتگو کو محسوس کرنے لگا اور وہ بادشاہت سے علیحدہ ہو گیا، اور اس نے اس کو چھوڑ دیا اور اپنے بڑے بیٹے کو تخت سلطنت پر بٹھایا پھر وہ بادشاہ بن گیا مگر نام اسی کا ہوتا، اور وہ اکیلا سلطنت کے امور چلاتا، اس کے بھائیوں نے ا س کی مخالفت کی۔ ہر ایک اس امارت کے لئے آیا۔ شجاع، بنگال سے، مراد بخش گجرات سے اور یہ اورنگزیب دکن سے آئے، وہ سب پر غالب آنا چاہتا تھا اور امور سلطنت کو تنہا چلانے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس نے اپنے باپ کو شاہی محلات میں سے کسی محل میں رکھ دیا اور اس میں اس کے لئے بستر، کھانا، لباس، حاشیہ بردار اور باندیاں مہیا کر دیں اور اس کے پلنگ کے بالمقابل ایک شیشہ لگا دیا جو عجیب کاریگری سے تیار کیا گیا تھا جو سیاح کو ہمیشہ حیرت میں ڈالتا ہے۔ وہ اس شیشہ سے تاج محل کو دور سے دیکھتا جبکہ وہ اپنے پلنگ پر لیٹا ہوتا جیسے وہ (تاج محل) اس کے سامنے ہو، اسے دنیا کی تمام لذات حاصل تھیں، وہ تخت سلطنت پر ۱۰۶۸ھ کو بیٹھا (تین صدیاں پہلے) شاید کہ تم یہ خیال کرو کہ یہ بادشاہ جس کی پرورش فقہ کی کتابوں اور نقشبندی وظائف کے درمیان ہوئی۔ اپنی خلوت میں چلا جائے گا اور اپنے محل کو کوئی مدرسہ یا خانقاہ بنا لے گا، نمازیں پڑھے گا اور فقہ کی کتابیں پڑھے گا اور دنیا کے امور ترک کر دے گا اور ان سے بے رغبت ہو کر ان سے غافل ہو جائے گا، ہرگز نہیں، اے جناب! اور یہ اسلام کی فطرت نہیں اور نہ یہ اس کا طریق ہے۔ بے شک لوگوں کو نیک بخت بنانا، عدل قائم کرنا، ظلم دور کرنا، اور زمین میں فساد مچانے والے کافروں سے جہاد کرنا یہ سب کچھ بھی نماز ہے جیسے محراب میں نماز ہوتی ہے، بلکہ یہ کام، نفلی نماز اور نفلی روزہ سے کہیں بہتر ہیں، ایک لمحہ کا عدل چالیس سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اسی لئے آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے پہلے دن سے ہی زرہ پہن لی (اس دن وہ چالیس سال کے تھے)۔ اور وہ خود اٹھے۔ باغیوں کا صفایا اور سرکشوں کا قلع قمع کرنے لگے اور شہروں کو فتح

کرنے لگے اور عدالت کو قائم کرنے لگے اور زمین میں امن وامان قائم کرنے لگے۔وہ مسلسل ایک معرکہ میں گھستے ہوئے دوسرے معرکہ کی طرف اور ایک شہر کی اصلاح کرتے ہوئے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کی سلطنت (کوہ) ہمالیہ کے دامن سے ہند کے جنوبی حصہ سیف البحر تک پھیل گئی،قریب تھا کہ وہ سارے ہند کے بادشاہ ہو جاتے،حتیٰ کہ آپ نے اپنے دارالحکومت سے پندرہ سو کلومیٹر سے بھی زیادہ دور جنوب کے آخری کنارے میں اللہ کی راہ میں شہید ہو کر عمر پوری فرمائی۔جو بھی ان معرکوں میں گھسا اس کا سارا وقت صرف ہو گیا اندرونی حالات کی اصلاح کے لئے اور لوگوں کے معاملات میں غور کرنے کے لئے وقت نہ بچا لیکن اورنگ زیب نے اس کے ساتھ داخلی معاملات کی اصلاح کو بھی ایسا یقینی بنایا کہ چند کے سوا اس طرح کی اصلاح کی کہ دوسرے بادشاہ نہ کر سکے۔آپ رعایا کے امور پر قریبی علاقوں سے لے کر دور دراز علاقوں تک نظر رکھتے،(عقاب کی نظر کی طرح) جیسا کہ آپ فسادیوں کو شیر کے پنجہ کی طرح پکڑتے تھے پس ہر فسادی کی آواز کو بند کر دیا اور ہر پریشان کن حادثہ کو روکا،پھر اصلاح کا عمل شروع کیا چنانچہ وہ زندیق (بے دین) جن کو ان کے دادے کا والد (اکبر) لایا تھا ان کے باقی ماندہ لوگوں کا صفایا کیا اور وہ ظالمانہ ٹیکس جس نے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا اور جن (ٹیکسوں) کی آگ کر حرارت بھی مجوسیوں کے سرداروں کو نہیں پہنچتی تھی ایسے ٹیکسوں کی اسی انواع ختم کر دیں اور عادلانہ سنت کے مطابق ٹیکسوں کا طریقہ رائج کیا اور ان کو تمام لوگوں پر لازم قرار دیا،آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے ان سرداروں سے وہ ٹیکس وصول کئے،اگر حق کے معاملہ میں ان کا رعب اور سختی نہ ہوتی تو وہ لوگ ان کے خلاف بغاوت کر دیتے اور آپ نے پرانے راستوں کی مرمت کی اور نئے راستے بھی نکالے اور ان راستوں کی لمبائی جاننے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم یہ جان لو کہ (ان میں سے) ایک راستہ جسے شیر شاہ سوری نے فتح کیا تھا ایسا تھا کہ اس پر مسافر حضرات تین مہینوں تک چلتے تھے اور دونوں جانبوں سے آخر تک درخت اس کو گھیرے ہوئے تھے اور اس میں مسجدیں اور مسافر خانے یکے بعد دیگرے آتے تھے۔اور آپ نے ہند کے اطراف میں مسجدیں تعمیر کیں اور ان کے لئے ائمہ اور مدرسین مقرر کئے اور بوڑھوں کے لئے گھر،دیوانوں کے لئے ہسپتال اور بیماروں کے لئے شفاخانوں کی بنیاد رکھی۔اور تمام لوگوں میں انصاف قائم کیا۔عدالتی حکم کے نفاذ میں کوئی بڑا نہیں ہوتا تھا۔آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے فیصلہ کے لئے قانون مقرر کیا،اور بڑے مقدمات کا آپ خود فیصلہ فرماتے تھے،جیسے کیسے فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ

مذہب حنفی کے مطابق مدلل اور معلل فیصلہ ہوتا، آپ نے ہر شہر اور بستی میں لوگوں کے لئے قاضی مقرر کیئے تھے، شہنشاہ کے لئے جو (خصوصیات) مراعات تھیں ان سب کو آپ نے کالعدم قرار دے دیا، اور آپ نے اپنے آپ کو عام محکموں کے تابع بنا دیا تھا جس کا آپ کے ذمہ حق ہوتا اس کا فیصلہ قاضی کے سامنے رعایا اور لوگوں کی بھاری اکثریت کی موجودگی میں ہوتا۔ آپ ایک عالم فقیہ اور فقہ حنفی کے ماہر شخص تھے، پس آپ نے علماء کو قریب کیا اور ان سے وابستہ ہوئے اور ان کو اپنا خواص اور اپنا مشیر بنایا اور ان کے لئے مدارس بنائے اور تنخواہیں مقرر کیں اور انہیں دو کاموں کی توفیق دی گئی جن کو مسلمانوں کے بادشاہوں میں سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ پہلا یہ کہ وہ کسی عالم کو کوئی عطیہ یا تنخواہ نہیں دیتے تھے مگر اس سے کام کا مطالبہ کرتے، تالیف یا تدریس کی صورت میں، تا کہ وہ مال لے کر سست نہ ہو ورنہ تو اس نے دو برائیوں کو جمع کر دیا، (ایک) ناحق طور مال لینا اور (دوسرا) علم چھپانا۔ پھر آپ افتاء اور اوقاف کے مدرسین کے بارے میں کیا کہیں گے؟ دوسرا یہ کہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ایک کتاب کی صورت میں شرعی احکام کی تدوین کا کام سرانجام دیا جسے قانونی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ آپ کے لئے اور آپ کے حکم سے اور آپ کی نگرانی اور زیر نظر وہ فتاویٰ ترتیب دیا گیا جس کی آپ کی طرف نسبت کی گئی اور اس کا نام "فتاویٰ عالمگیریہ" رکھا گیا اور فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لئے کہ وہ (فتاویٰ) فقہ اسلامی کی مشہور ترین اور ترتیب وتصنیف کے اعتبار سے عمدہ ترین کتاب ہے، ان تمام امور کے باوجود وہ تالیف کا کام بھی کرتے، انہوں نے حدیث میں ایک کتاب لکھی اور اس کی شرح بھی کی اور اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور انہوں نے (کئی) بلیغ رسائل بھی لکھے جو لوگوں کی زبان میں عمدہ بیان میں سے شمار کیئے جاتے تھے اور آپ اپنے خط سے کئی مصاحف لکھتے اور ان کو فروخت کرتے تا کہ اس کی قیمت سے زندگی کا گزر بسر کر سکیں۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے مال سے بے رغبت تھے اور ان کو لینا ترک کر دیا تھا۔ اور یہ کہ آپ نے حاکم بننے کے بعد قرآن پاک حفظ کیا۔ اور یہ کہ آپ (پہلے) گویا شاعر تھے لیکن پھر اس کو ترک کر دیا اور اس کو ناپسند کیا اور آپ نے ان تحفے تحائف کو ختم کر دیا جو شاعروں اور گلوکاروں کو حاصل ہوتے اور وہ امت کے لئے ان لوگوں کو لازمی خیال نہیں کرتے تھے جو (امت) زمین پر اپنی عظمت کا عالی شان محل مسلسل تعمیر کر رہی تھی، آپ اول وقت جماعت کے ساتھ فرائض کو ادا کرتے، اس کو کسی حال میں بھی نہیں چھوڑتے تھے اور (اسی طرح) نماز جمعہ بڑی مسجد میں، (نہیں چھوڑتے تھے) اگرچہ شہر سے کسی کام سے غائب ہوتے، جمعرات کے دن شہر

میں آجاتے تاکہ جمعہ کی نماز پڑھیں، پھر جہاں چاہتے چلے جاتے اور آپ رمضان کے روزے رکھتے، خواہ گرمی کتنی زیادہ ہوتی، تمہیں کیا معلوم ہند کی گرمی کیسی ہوتی ہے؟ آپ تراویح کے ذریعہ راتوں کو زندہ کرتے، (عبادت میں گزارتے) اور رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد کے اندر اعتکاف کرتے اور آپ پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھتے سال کی ہفتوں میں سے ہر ہفتہ میں، اور آپ ہمیشہ باوضو رہتے اور اذکار (ذکر کی جمع) کی پابندی کرتے اور اہل حرمین کی دائمی طور پر تحائف کے ساتھ مدد کرتے اور اس کے ساتھ آپ حزم وعزم میں اور فنون حرب (جنگ کے فنون) میں اور حکومتی نظام چلانے میں ایک نشانی تھے، وہ ان تمام امور کو کسی طرح جمع کر لیتے تھے؟ ایسی عبادتوں کیسے کر لیتے تھے؟ اور لوگوں کے درمیان فیصلے بھی کر لیتے؟ اور علم میں تالیف بھی کرتے؟ اور مصاحف بھی لکھ لیتے؟ اور قرآن بھی حفظ کرتے؟ اور اس عظیم براعظم کا نظام بھی چلاتے؟ اور بہت زیادہ معرکوں میں بھی کودتے؟ (اصل میں) آپ نے اپنے اوقات کار کو تقسیم کر رکھا تھا؟ اور ایک باترتیب زندگی گزارتے، چنانچہ ایک وقت (کا ایک حصہ) اپنی ذات کے لئے اور ایک وقت اپنے گھر والوں کے لئے اور ایک وقت اپنے رب کی لئے اور کچھ اوقات ادارہ، قتال اور فیصلہ کے لئے مقرر تھے، آپ نے ہند پر پورے پچاس سال حکومت کی، آپ اپنے زمانہ میں دنیا کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے، ان کے ہاتھ میں خزانوں کی کنجیاں تھیں، آپ زہد وفقر والی زندگی گزارتے، آپ کا ہاتھ حرام کی طرف بڑھا اور نہ آپ کی آنکھ، اور نہ آپ نے حرام چیز اپنے پیٹ میں ڈالی اور نہ ہی اس کے لئے اپنے بٹن کھولے۔ سارا رمضان گزر جاتا (مگر) آپ جو کی روٹیوں میں سے چند گنی چنی روٹیاں کھاتے اور وہ بھی مصحف (قرآن پاک) کی کتابت سے اپنے ہاتھ کی کمائی سے۔ حکومتی اموال سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان کی پاک روح پر رحمت ہو۔ (مجلۃ "المسلمون العدد الخامس من المجلد البالغ)۔

الحمد للہ "مختارات من ادب العرب" کا پہلا سلیس اردو ترجمہ بتاریخ ۲۰ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ مطابق ۷ اگست ۲۰۰۴ء کو مکمل ہوا۔

بندہ محتاج دعا

حافظ خالد محمود بن مولانا حافظ ولی محمد نور اللہ مرقد (فاضل ومدرس) جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور و (نائب الرئیس) لجنۃ المصنفین لاہور

دارالقلم کی درسی اور اصلاحی مطبوعات

کتاب	مصنف
انوارات	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
عزیز النحو	مولانا خالد محمود صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور
تحفہ آداب (طلباء وطالبات کی علمی اور اخلاقی رہنمائی کے لئے)	علامہ زرنوجیؒ
گناہوں کے عذاب	علامہ ابواللیث سمرقندیؒ
روح نماز	علامہ ابن رجبؒ
اسلام کا نظام حقوق	مفسر کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
زبان کی تباہ کاریاں اور ان سے بچنے کے طریقے	ڈاکٹر ظفیر احمد
بدنظری کی خرابیاں اور ان سے بچنے کی تدابیر	مولانا فیروز الدین شاہ صاحب کھلہ
تحفہ اخلاق	عالم ربانی شیخ اکبر محی الدین ابن العربی
مسلم خواتین کے لئے تحفہ نماز	مولانا سید ممتاز احمد شاہ
اللہ کا ذکر (فضائل، فوائد، برکات، ثمرات)	ابن القیم الجوزیہ
تربیت اخلاق	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ